آفتابِ سُنّت

مرتبہ

حافظ عبدالوحید الحنفی

چکوال

شائع کردہ

مرحبا اکیڈمی

یا اللہ مدد

صلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

حق چار یار

عصرِ حاضر کے اہلِ بدعت کی مساجِد میں اذان کے ساتھ مُروّجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

مرتبہ

حافظ عبدالوحید الحنفی

چکوال

سلسلہ اشاعت نمبر 50

شائع کردہ: مرحبا اکیڈمی

☆☆☆☆

نام کتاب: اذان کے ساتھ مروّجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

سلسلۂ اشاعت: 50 بار اوّل

مؤلف: حافظ عبد الوحید الحنفی آوڈھروال (چکوال) 0302-5104304

صفحات: 240

قیمت: 300 روپے

ٹائٹل: ظفر محمود ملک

کمپوزنگ: **النور** مینجمنٹ چکوال

طباعت: 29 ربیع الثانی 1437ھ مطابق 9 فروری 2016ء بروز منگل

ناشر: مرحبا اکیڈمی

ویب سائیٹ: www.alhanfi.com

ملنے کے پتے:

کشمیر بک ڈپو	تلہ گنگ روڈ چکوال 0543-551148
اعوان بک ڈپو	بھون روڈ چکوال 0543-553546
مکتبہ رشیدیہ	بلدیہ مارکیٹ چھپڑ بازار چکوال 0543-553200
کتب خانہ مجیدیہ	بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
مکتبہ عثمانیہ	بالمقابل دار لعلوم کراچی نمبر 14
اسلامی کتب خانہ	بنوری ٹاؤن کراچی نمبر 5
مکتبہ انوار القرآن	نزد دارالعلوم حنفیہ چکوال 0321-5974344
مکتبہ حنفیہ	اردو بازار لاہور 0343-4955890

☆☆☆☆

فہرست عنوانات

باب 1 5
اہلِ بدعت کا تعاقب 5
۱۹۸۹ء کے واقعات 13
اہل سنت والجماعت کی جانب سے اہل بدعت کا تعاقب 13
اذان کے ساتھ مروجہ صلوٰۃ و سلام کی شرعی حیثیت 5
ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت 18
(۵) حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کا فرمان: 22
مسجد میں آواز بلند کرنا 24
قولِ فیصل: سُنّی نظریہ اور بریلوی نظریہ کا فرق 26
مکتوب حضرت نثار احمد الحسینی بنام راقم الحروف 30
(۱)راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام نثار احمد الحسینی صاحب 32
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا مؤقف 34
ذکر جہر کا مقصد 35
بندہ کی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بیعت 39
خط حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ 40
(۲) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی شخصیت 44
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا طریقہ تعلیم 45
(۲) مکتوب حضرت حافظ نثار احمد صاحب الحسینی 46
ذکر بالجہر 48
مجالسِ ذکر 65
مروجہ مجالس ذکر 70
(۲) راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام حافظ نثار احمد الحسینی 81
(۳) راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام مولانا نثار احمد صاحب 83
ذکر جہر کا مقصد 85
خلاصہ 89
(۲) اکابر اہل سنت 94
حاصل 94
آپ کے غلط استدلال کیا ہیں 98
بعض صوفیاء کے مجالس ذکر قائم کرنے کی بحث 100
علماء و صوفیاء میں کس کا قول راجع ہے؟ 111
خاتمہ کلام 123
مجالس ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت 124
اثر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور مجالس ذکر 129
اس روایت کا صحیح اور مستند ہونا 130
حضرت ابو موسیٰ اشعری و ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات سے ثبوت 131
فقہائے کرام و اکابرِ امت سے ثبوت 179
حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وصیت 180
علامہ شاطبیؒ کا حوالہ 181
علامہ ابنِ ہمام و امام زیلعی رحمہا اللہ کا حوالہ 184
علامہ شامیؒ کا حوالہ 185

باب 2 194
تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر بالجہر......... 194
چند شبہات کا ازالہ 194
قرآن مجید کی تلاوت و تدریس کے لیے جمع ہونا.................................. 194
فرشتوں کا اہلِ ذکر کو تلاش کرنا 205
اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں پر فخر فرمانا 210
بندہ کے مجمع میں ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں میں ذکر فرمانا.............. 215
تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (چند شبہات کا ازالہ)..................................... 219
ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر منع کیا ہے 231
خام صوفیوں کا پیروں کے عمل کا بہانہ 233
شریعت میں گانا اور سرود سننے یا دیکھنے کی ممانعت ہے 236
ہم نہیں ہوں گے، ہماری داستاں رہ جائے گی 240

☆☆☆☆

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

باب 1

اہلِ بدعت کا تعاقب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی ھَدَانَا اِلٰی طَرِیْقِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ بِفَضْلِہِ الْعَظِیْم
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ کَانَ عَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَخُلَفَاءِہِ الرَّاشِدِیْنَ الدَّاعِیْنَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم

اذان کے ساتھ مروجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

مولانا عبد الستار تونسوی صاحب کا یہ فرمان کہ درود و سلام پڑھنا ہمارا دین اور ایمان ہے۔ اور درود و سلام کے منکر کو ہم دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اس واضح فرمان کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ یہ درود و سلام کے منکر ہیں تو اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہ ہو گا۔

(۲) دوسری بات کہ مروجہ طریقہ سے اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کب شروع ہوا۔ تو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب احکام شریعت (ج ا ص ۱۳۸، مطبوعہ شبیر برادر اردو بازار لاہور) میں لکھتے ہیں:

دُرِ مختار میں ہے کہ:

"اور اذان کے صلوٰۃ و سلام ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں پیر کی شب عشاء میں شروع ہوا۔ اس کے بعد جمعہ میں بھی صلوٰۃ پڑھی گئی۔ اور دس

عبد الوحید الحنفی

سال کے بعد مغرب کے سوا ہر وقت اذان کے بعد صلوٰۃ پڑھی گئی۔

اور یہ بدعت حسنہ ہے۔"[1]

یہ بھی یاد رہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ:

"بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ، رفعِ سنت کو مستلزم ہے"۔

...... الخ (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول مکتوب ص ۲۵۵ آخر میں ملاحظہ کریں)

(۳) بریلوی مسلک کے مقتدا حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی

کتاب احکامِ شریعت کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ ۷۸۱ھ میں شروع ہوا۔ اور انہوں نے لکھا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ انہوں نے یہ اس لیے لکھا ہے کہ قرآن و سنت، عملِ صحابہؓ اور اجماع امت سے اذان کے ساتھ اس کے پڑھنے کا حکم نہیں اور یہ ۷۸۱ھ سے پہلے فقہ حنفی کی بھی کسی کتاب میں اذان کے ساتھ اول یا آخر میں صلوٰۃ و سلام کا بلند آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ اس موقع پر نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت۔ اہل سنت والجماعت کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ بدعات کی رسوم کو مٹا کر سنت کا پرچم بلند کریں۔

کسی صاحب کے پاس ۷۸۱ھ سے پہلے کی لکھی ہوئی کسی حنفی فقہ کی کتاب کا حوالہ ہو تو ثبوت پیش کریں۔ کہ اذان کے ساتھ ملا کر

---

[1] احکام شریعت، ج ا ص ۱۳۸، مؤلفہ مولانا احمد رضا خان

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

اول یا آخر بلند آواز سے جس آواز سے اذان دی جاتی ہے، صلوٰۃ و سلام کے مروجہ الفاظ الصلوٰۃ و السلام علیک یارسول اللہ...... الخ کے پڑھنے کا حکم قرآن سے، فرمانِ رسول ﷺ سے، حدیث صحیحہ، عمل صحابہؓ و خلفائے راشدینؓ سے اور اجماعِ امت، ائمہ احناف امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام یوسفؒ و امام محمدؒ و امام زفرؒ و امام طحاویؒ کا قول پیش کریں اور دکھائیں کہ انہوں نے یہ لکھا ہو کہ یہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت ہے۔ ہم ہر وقت حاضر ہیں۔

(۴) مولانا عبد الستار تونسوی صاحبؒ نے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب احکامِ شریعت کے حوالہ سے ثابت کیا کہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنا ۱۷۸۱ھ میں شروع ہوا، پہلے نہیں تھا۔ انہوں نے فرمایا:

"نہ نبی ﷺ دے زمانے وچ، نہ صدیقؓ دے زمانے، نہ فاروقؓ دے زمانے، نہ غنیؓ دے زمانے، نہ علیؓ دے زمانے، نہ حسنؓ و حسینؓ دے زمانے، نہ تابعین نہ تبع تابعین دے زمانے نہیں پڑھا جاتا تھا۔ یہ ۱۷۸۱ھ میں شروع ہوا۔

(۵) مولانا عبد الستار تونسوی صاحب نے پنجابی زبان میں تقریر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

اللہ سانوں زندگی دے وچ تے موت دے ویلے سوہنے نبی ﷺ

دی غلامی وچ رکھے (کہو آمین) اگر نبی پاک ﷺ دے نال پیار ہے تے نبی پاک ﷺ دی سیرت دے جلسے کردے ہو۔ نبی پاک دی سیرت اپناؤ، نبی پاک ﷺ دی سنت دا جھنڈا اٹھاؤ۔ پاک محمد ﷺ دے ہر فیصلے تے گردن جھکاؤ۔

(٦) مکتوبات مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ میں لکھا ہے:

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے۔ حسنہ اور سیئہ، حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں حضرت اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے۔ اور بدعت سیئہ وہ ہے جو سنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج مبتدع کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت و تازگی میں دیکھتے ہیں۔ لیکن کل جب کہ بصیرت تیز ہو گی تو دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ نہ تھا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

خادم اہلسنت عبدالوحید حنفی

ترجمہ:

بوقت صبح ہو جائے گا روشن روز کی مانند
کہ تو نے عشق میں کس کے گزاری رات ہے ساری

حضرت خیر البشر ﷺ فرماتے ہیں کہ

مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔[1]

جس نے ہمارے اس امر میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

بھلا جو چیز مردود ہو وہ حسن کہاں پیدا کر سکتی ہے۔ اور آں

حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَ شَرِّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اس کے بعد واضح ہو کہ اچھی کلام کتاب اللہ ہے اور بہتر راستہ محمد ﷺ کا رستہ ہے۔ اور تمام امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے۔

اور نیز آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ

اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ اِنْ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي

[1] بخاری، مسلم، ابوداؤد

وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی)

میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے حکموں کو مانو اور اطاعت کرو، اگرچہ حبشی غلام ہو۔ کیوں کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول ص ۳۰۹)

(۷) حضرت مجدد الف ثانی نیز دفتر اوّل مکتوب ص ۲۵۵ میں لکھتے ہیں:

محب و مخلص ہمہ تن حضرت مصطفےٰ ﷺ کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور منکرہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سنت و بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقص و نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موّجب ہے اور بالعکس۔ پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ، رفع سنت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن نسبی یعنی اضافی کا کیا اعتبار ہو گا۔ کیوں کہ حسنِ مطلق وہاں گنجائش نہیں

رکھتا۔ کیوں کہ تمام سُنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کے پھیل جانے کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔ منقول ہے کہ حضرت مہدیؑ اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے اور سنت کو زندہ فرمائیں گے۔ تو مدینہ کا عالِم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنائی ہو گی اور اس کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملا لیا ہو گا، تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دور کر دیا ہے اور ہمارے مذہب و ملّت کو مار دیا اور خراب کر دیا ہے۔ حضرت مہدیؑ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ کو سیئہ خیال کریں گے۔

ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم

یہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ، ج ۱ ص ۲۵۵)

(۸) نیز مکتوب ۱۹ دفتر دوم میں لکھتے ہیں:

سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور متابعت اختیار کریں۔ سنت سنیہ کو بجا لائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

روشن ہو لیکن در حقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے۔ کیوں کہ بدعت دو حال سے خالی نہیں۔ سنت کی رافع ہو گی۔ یا رافع سنت سے ساکت ہو گی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہو گی۔ جو در حقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے۔ کیوں کہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو۔ سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی۔ بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا، حَسن سے کوسوں دور ہے۔ "فما ذا بعد الحق الا الضلالُ" (حق کے بعد گمراہی ہے) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حَسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔

(یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ۔ (مکتوب ۹، ج ۲۔ مجدد الف ثانیؒ)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

۱۹۸۹ء کے واقعات

اہل سنت والجماعت کی جانب سے اہل بدعت کا تعاقب

اہل السنت والجماعت کی سُنّی دستاویز

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کے ارشادات سنی دستاویز کی شکل میں علامہ تونسوی صاحب کی تائید میں ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء کو ایک عالم صاحب کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے۔

(۲) رحمت للعالمین ﷺ کانفرنس دھیدوال میں شرعی مسئلہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو ایک سائل نے علامہ عبدالستار صاحب تونسویؒ سے سوال پوچھا تھا جس کا انہوں نے مدلل جواب اس طرح دیا کہ وہ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کے مطابق تھا اور مولانا احمد رضا خان صاحب کے فتویٰ کو بھی تائید میں پیش کیا تھا۔

(۳) ایک عالم صاحب کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان تھا "چیلنج منظور ہے"۔ اہل السنت والجماعت کی طرف سے ایک سنی وفد حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے عالم صاحب کی خدمت میں ان کے پاس حاضر ہوا اور اُن سے دریافت کیا کہ کیا یہ اشتہار "چیلنج منظور ہے" آپ نے شائع کیا ہے؟ جواب میں

انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ اشتہار شائع ہی نہیں کیا بلکہ یہ تو میں آپ کے ہاتھ میں اب دیکھ رہا ہوں۔ چناں چہ اشتہار جن صاحب کے نام سے شائع ہوا تھا اُن کی خدمت میں ایک سنی دستاویز پیش کی گئی۔ جس میں علامہ عبدالستار صاحب تونسوی کی تقریر کے اقتباسات، ارشادات اور مولانا احمد رضا خان صاحب کے فتویٰ اور حوالہ کے الفاظ کیسٹ سے نقل کر کے پیش کیے گئے تھے۔ اور مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتاب "احکامِ شریعت" کے صفحات اور امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں سنی دستاویز کے ساتھ لف کر کے پیش کیں تا کہ عالم صاحب کو سنی موقف سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ سنی وفد کے اراکین نے یہ درخواست بھی پیش کی کہ اس کے مطالعہ کے بعد اپنا مؤقف بھی ہمیں ارسال کر دیں۔ اور سرِدست صرف یہ تحریر فرما دیں کہ سنی دستاویز آپ نے وصول کر لی ہے۔ لیکن انہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

(۲) عوام اہل السنت والجماعت کو مناظروں، مجادلوں، اشتہاروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لیے انہوں نے ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء کو براہِ راست اُن کی خدمت میں وفد بھیج کر تحریری دستاویز اور سنی مؤقف پیش کر دیا تھا۔ جس میں صاف لکھ دیا تھا کہ ہم ہر وقت

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

حاضر ہیں۔ آپ حوالہ دکھاسکتے ہیں۔ ہم آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔ تونسوی صاحب کے ارشادات کے مطابق ہم آپ کے حوالہ کو تحریری دیکھیں گے۔ اگر آپ نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا تو ہم سب اُن کے ساتھ ہو کر تونسوی صاحب سے انعام وصول کریں گے۔ ورنہ خواہ مخواہ کی اشتعال انگیزی اور اشتہار بازی کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۳) عوام اہل السنت کو ان تقریری مناظروں، مجادلوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ عوام اہل السنت والجماعت تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مذہب اہل السنت والجماعت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسولِ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کیا حکم ہے۔ اسوۂ حسنہ کیا ہے، سنت طیبہ کیا ہے، جماعتِ صحابہؓ کا اجماعی عمل اور نمونہ کیا ہے۔ اس بارے میں ائمہ احناف کیا فرماتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی کی تحقیق کیا ہے اور بریلوی مکتبۂ فکر کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کا ارشاد کیا ہے؟

(۴) الحمدللہ علامہ عبدالستار تونسوی نے ہر پہلو سے "سنی مذہب" سمجھا دیا ہے۔ آپ کے پاس اگر مزید حوالوں کا ذخیرہ ہو تو بصد شوق تحریری حوالہ دکھاسکتے ہیں۔ اگر آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق سے مطمئن نہیں اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تحقیق پر

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

اعتماد نہیں تو پھر غیر مقلد ہونے کا اعلان کر دیں۔ پھر جس طرح غیر مقلد کتبِ احادیث بخاری شریف، مسلم شریف سے رفع یدین آمین بالجہر وغیرہ احادیث پیش کر کے عوام اہل السنت والجماعت احناف میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، آپ بھی ان کی تقلید میں ایسے حوالے رکھتے ہوں تو بے شک پیش کریں۔ لیکن یہ اسی وقت ہی تسلیم ہوں گے جب آپ غیر مقلد ہونے کا اعلان کریں گے۔ ہمارے لیے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید سُنّی حنفی کی حیثیت سے ضروری ہے۔ اس بارے میں مولانا احمد رضا خان صاحب اور مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات جو سنی دستاویز میں آپ کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں، حنفی عوام اہل السنت والجماعت مطمئن ہو چکے ہیں۔ آپ مطمئن ہیں یا نہیں؟ تحریری مطلع کریں۔ تحریری جواب سے پہلے سُنّی موقف پھر سمجھ لیں۔

☆☆☆☆

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

یا اللہ مدد — صلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ — حق چار یار

عصرِ حاضر کے اہلِ بدعت
اور اُن کی بدعات (حصہ اوّل)

ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

مرتبہ

حافظ عبدالوحید الحنفی
چکوال

سلسلہ اشاعت نمبر 50

شائع کردہ: مرحبا اکیڈمی

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

باب 2

ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صاحب صفدرؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عمدہ ترین عبادت ہے اور دعا کرنا بھی ایک اعلیٰ ترین نیکی اور قربت ہے۔ مگر اسی طریقہ سے جس سے شریعتِ حقّہ نے راہنمائی کی ہے۔ جس موقع پر جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم ہے (مثلاً عرفہ کی فجر سے لے کر آخر ایام تشریق تک اور حج کے دنوں میں تلبیہ وغیرہ) تو وہاں جہر کرنا سنت ہے۔ اور جہاں جہر کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہو گا۔ اور اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہو گی۔ اور یہی حکم ہے دعا کا۔

اگرچہ حضرات صاحبین (امام یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے ان کے علاوہ بعض مقامات میں امام ابنِ حزمؒ اور اکثر صوفیاء کرام نے اکثر مقامات پر جہر سے ذکر کرنے کو پسند کیا ہے۔ لیکن نہ کرنے والوں کو نہ تو ملامت کی، نہ وہابی کہا۔ مگر دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ذکر اور دعا آہستہ طریقہ سے بہتر ہے۔ اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے۔

جب حضرات ائمہ اربعہ ؒ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو یہی امید رکھنی چاہیے کہ حق ان کے ساتھ ہے۔ اور پھر آج اگر صرف ذکر بالجہر کو پسند ہی کیا جاتا اور دوسرے پہلو کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا، تب بھی ایک بات ہوتی، مگر غضب تو یہ ہے کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والے کو وہابی وغیرہ کہہ کر اسے ملامت کی جاتی ہے۔ اور محلِ طعن بنایا جاتا ہے۔ اور آج مسلمان اور اہل سنت ہونے کی یہ علامت قرار دی جا رہی ہے کہ اگر ذکر بالجہر کرتا ہو تو سنی ورنہ وہابی۔ اس لیے اس مسئلہ پر غور کی ضرورت ہے۔

مختصر طریق پر دلائل عرض ہیں۔ غور فرمایئے:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (پ۹۔ سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵)

فرمایا: اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم آواز میں۔

اور فرمایا کہ

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ [1]

فرمایا: پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے، بے شک وہ محبت نہیں کرتا، حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔

---

[1] پ۸، رکوع ۷، اعراف آیت ۵۵۔

اس آیت کریمہ میں ذکر اور دعا کرنے کے لیے دو قیدیں لگائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اور دعا نہایت اخلاص، عاجزی اور انکساری کے ساتھ ہو۔ اور دوسری یہ کہ آہستہ اور چپکے ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

آں حضرت ﷺ کے حضرات صحابہ کرامؓ نے ایک موقع پر بلند آواز سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان کو منع کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا وَإِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ۔

(بخاری شریف، ج ۲ ص ۲۰۵۔ مسلم شریف، ج ۲ ص ۳۴۶)

فرمایا: اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو، تم اس ذات کو نہیں پکار رہے جو بہری اور غائب ہو۔ تم سمیع اور قریب ذات کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ نے جہر سے روکتے ہوئے آہستہ ذکر کرنے کو پسند کیا ہے۔

(۱) چناں چہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

ففيه الندب الٰى خفض الصوت بالذكر اذا لم تدع حاجة الٰى رفعه۔ (شرح مسلم ج ۲، ص ۳۴۶)

کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے، جبکہ داعیہ رفع صوت کا پیش نہ آئے۔

(۲) محدث ابنِ بطالؒ فرماتے ہیں:

وقال ابن بطال المذاهب الاربعة علٰی عدم استحبابه۔[1]

محدث ابنِ بطالؒ فرماتے ہیں کہ چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں۔

(۳) حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

والمختار ان الامام والماءموم يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم۔ (فتح الباری ج۲، ص۲۵۶)

مختار بات صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں ذکر آہستہ کریں۔ ہاں مگر جب تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو الگ بات ہے۔

(۴) حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کا فرمان:

مناظر اہل سنت مولانا محمد امین صاحب صفدرؒ اوکاڑوی بھی حضرت لاہوریؒ سے بیعت تھے۔ میں نے ان سے مجلس ذکر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضرت ہم بریلویوں کے جماعتی ذکر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۱۰، ص۲۷۰۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ذکر جہر کراتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔[1]

(۵) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین ؒ کا فرمان:

ذکر اللہ تو مطلوب و مقصود ہے اور یہ روح کی غذا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۱،۴۲)

اے ایمان والو! تم اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو، صبح و شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

البتہ اختلاف تو مجلس ذکر کی نوعیت میں ہے کہ ذکر جہر ہو یا خفی، انفرادی ہو یا اجتماعی۔

حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابنِ حزم ظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) وغیرہ نے نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کو مستحب کہا ہے۔ اور وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضرت عبداللہ بن عباس یہ فرماتے ہیں:

---

1 حضرت جہلمی کی حیات خدمات، ص ۵۹۔ بحوالہ ماہنامہ حق چاریار، ج ۱۱ ش ۵ حضرت جہلمی نمبر

خادم اہلسنت عبدالوحید حنفی

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علٰی عهد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (مسلم شریف ج ص ۲۱۷)

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔

حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

و نقل ابن بطال و أخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغیرهم متفقون علٰی عدم استحباب رفع الصّوت بالذّکر و التکبیر و حمل اشافعی علیہ الرحمۃ هٰذا الحدیث علٰی انه جهر و قتا یسیرا حتّٰی یَعلمهم صفة الذکر لا انّهم جهروا دائماً۔[1]

"امام ابنِ بطال وغیرہ علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ ائمہ مذاہب جن کی (اکثر) لوگ اتباع کرتے ہیں۔ (یعنی ائمہ اربعہ) اور اسی طرح دیگر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ کی اس روایت کا مطلب امام شافعیؒ نے یہاں یہ بیان کیا کہ کچھ عرصہ تک لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ذکر بالجہر ہوتا رہا، نہ یہ کہ انہوں نے اس پر دوام کیا۔"

---

[1] شرح مسلم ج ص ۲۱۷۔

مسجد میں آواز بلند کرنا

حضرت علامہ علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

و قد نص بعض علمائنا بان رفع الصّوت فی المسجد و لو بالذکر حرام۔ (مرقات علی المشکوٰۃ ج۲، ص ۷۰ ۲)

ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا، اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو، حرام ہے۔

اس کی شرح میں علامہ سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرت امام اعظمؒ ذکر بالجہر کو بدعت فرماتے ہیں۔ اور حضرت (علامہ) ملا علی قاریؒ اس کا حرام ہونا نقل کرتے ہیں۔

مگر مفتی احمد یار خان صاحب کہتے ہیں کہ:

مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں۔ ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے، اصولِ حنفیہ کے خلاف ہے۔ (جاء الحق، ص ۳۲۹ مؤلفہ مفتی احمد یار خان گجراتی)

انصاف سے فرمائیں کہ یہ حرام اور بدعت کس نے کہا ہے؟ کیا امام اعظم (ابو حنیفہؒ) اور ملا علی قاری بھیؒ آپ کے مخالفین کی فہرست میں شامل ہیں؟ اور کیا وہ بھی طرح طرح کے حیلوں سے اس کو منع کرنے والوں میں ہیں؟ خوب ہوش میں آکر جواب دینا۔ بیّنوا توجرو

وا۔(”راہ سنت“ مؤلفہ شیخ الحدیث علامہ سرفراز خان صفدرؒ، ص ۱۷۸)

مولانا علامہ سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں:

اور یہی بات قرین قیاس و انصاف ہے ورنہ ضرور ذکر بالجہر پر حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل ہوتا اور حضرت ابنِ مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہرگز ذکر بالجہر اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو یہ فرماتے ہوئے مسجد سے نہ نکال دیتے کہ تم نے صحابہؓ کی موجودگی میں تاریک بدعت ایجاد کی ہے۔

جس طرح جہر سے برائے تعلیم بسم اللہ پڑھنا آپ سے یہ ثابت ہے، لیکن اس پر دوام کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن مغفلؓ سے نقل ہو چکا ہے، اسی طرح ذکر بالجہر کا مسئلہ ہے۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں کہ:

و لا بی حنفیة ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف الا مر فی قوله تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ...... الآیہ۔(کبیری ص ۵۶۶)

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ ”تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے سے پکارو۔“

اس عبارت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مذکور ارشاد کے

مخالف بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔ فریق مخالف کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو وہابی کہتا ہے اور ذکر بالجہر کو اہل سنت کی علامت قرار دیتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (راہ سنت ص ۱۷۷)

قولِ فیصل: سُنّی نظریہ اور بریلوی نظریہ کا فرق

علامہ سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں:

یہ تمام عبارات اپنے مفہوم میں بالکل نص صریح اور واضح ہیں۔ اور یہی پہلو بہتر اور روحِ شریعت کے قریب تر ہے۔ رہا مفتی احمد یار خان صاحب بریلوی کا بحوالہ شامی یہ نقل کرنا کہ:

"متقدمین اور متاخرین نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو۔"[1]

تو یہ ہرگز قابل التفات نہیں ہے۔

اوّلاً: اس لیے کہ جب قرآن کریم اور حدیث شریف میں آہستہ ذکر کرنے کا حکم ہے تو اس کے خلاف کسی کا عمل کس طرح حجّت ہو سکتا ہے۔

[1] جاء الحق، ص ۳۳۲۔

وثانیاً: حضرات ائمہ اربعہؒ جہر سے ذکر کرنے کو غیر مستحب کہتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اُس کو بدعت کہتے ہیں۔ نیز تصریح کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے۔ جب حضرات ائمہ اربعہؒ کا ذکر بالجہر کے خلاف اتفاق ہے تو ذکر بالجہر کے جواز پر اتفاق کیسے ہوا؟ اور کیا حضرات ائمہ اربعہؒ متقدمین میں نہ تھے؟

وثالِثاً: علماء متاخرین بھی ذکر بالجہر کے مستحب ہونے پر ہرگز متفق نہیں ہیں۔ ہر مسلک کے علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ حضرات صوفیاء کرام بھی اس پر متفق نہیں ہیں۔ دیکھیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

اسی طرح دیگر علماء اور فقہاء و محدثین کی کتابیں بغور ملاحظہ کیجیے۔ محض اتفاق کے خوش کن لفظ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

باقی مفتی احمد یار خان صاحب کا رسالہ دلائل الاذکار ص ۷۹ میں شیخ محمد صاحب تھانوی کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ:

"حضور ﷺ نماز کے بعد صحابہ کرامؓ کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔" (جاء الحق ص ۳۳۰)

تو یہ دلیل بھی چنداں وزنی نہیں ہے۔

اوّلاً: اس لیے کہ جب تک اُصول حدیث کے مطابق اس کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس سے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

وثانیاً: اگر یہ حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب بھی وہی ہو گا جو حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث کا امام شافعیؒ نے مطلب پیش کیا ہے کہ کسی وقت تعلیم کے لیے آپ نے ایسا کیا تھا۔ بعد میں چھوڑ دیا، دوام اس پر ہر گز نہ ہوا تھا۔

اگر دوام ہوتا تو حضرات ائمہ اربعہؒ کبھی ذکر بالجہر کو غیر مستحب نہ کہتے، یہ اک ایسی بیّن حقیقت ہے جس کا ہر گز انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ("راہ سنت" مؤلفہ علامہ سرفراز خان صفدرؒ، ص ۱۷۹)

☆☆☆☆

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

یا اللہ جل جلالہ — صلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ — حق چار یار

عصرِ حاضر کے اہلِ بدعت اور اُن کی بدعات (حصہ دوم)

تداعی کے ساتھ ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

مرتبہ

حافظ عبدالوحید الحنفی
چکوال

سلسلۂ اشاعت نمبر 50

شائع کردہ: مرحبا اکیڈمی

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

باب 3

مکتوب حضرت نثار احمد الحسینی بنام راقم الحروف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اما بعد:

بخدمت گرامی حافظ عبدالوحید حنفی صاحب زید مجدکُم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے مزاج بعافیت ہوں گے

آپ کی مرتب کردہ ”جامعہ عربیہ اظہار الاسلام“ چکوال کی سالانہ روئیداد بابت ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس روئیداد میں آپ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرّہٗ کا ایک مقالہ جو حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب قدس سرّہٗ کے متعلق ان کے تاثراتی خیالات پر مشتمل ہے، بھی شائع کیا ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ حق چار یار، لاہور نومبر ۱۹۹۸ء کی خصوصی اشاعت میں بھی چھپ چکا ہے۔ اس مقالہ میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرّہٗ نے احقر کے ایک مضمون ”مجالس ذکر ایک علمی اور تحقیقی جائزہ“ از: ماہنامہ ”الارشاد“ اٹک۔ بابت رجب، شعبان ۱۴۱۸ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء ٹریکٹ نمبر ۶، ۷ پر گرفت فرماتے ہوئے ”ذکر بالجہر“ کو بدعت قرار دیا

اور احقر کے متعلق لکھا ہے:

اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کیے ہیں، اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔

”سالانہ روئیداد“ ۲۰۰۸ء ص ۵۹۔

ماہنامہ حق چار یار نومبر ۱۹۹۸ء میں اس مقالہ کی اشاعت کے بعد بھی احقر نے کئی حضرات مثلاً: مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ' وغیرہ سے گزارش کی تھی کہ میرے مضمون میں جو غلطی ہے بتائی جائے تا کہ میں اصلاح کر سکوں۔ مگر کوئی واضح بات سامنے نہ آئی۔ اب آپ کے اس مقالہ کو دوبارہ شائع کرنے پر گزارش ہے کہ میرے مضمون متعلقہ ”الارشاد“ اٹک میں جو غلط استدلال پیش کیے گئے اور حوالہ جات میں جو خیانت ہے وہ واضح کی جائے تا کہ احقر اپنی تحریر کی اصلاح کر سکے۔ آپ کے ہاں ماشاء اللہ محقق علماء اور مفتیانِ عظام کی کمی نہیں، خود ”جامعہ عربیہ اظہار الاسلام“ کی مذکورہ روئیداد میں آپ نے جامعہ کے علماء کرام کی پوری فہرست دی ہے۔

جو صاحب احقر کے مضمون پر کلام کرنا چاہتے ہیں، ماہنامہ ”الارشاد“ اٹک کی ایک کاپی بھی اس عریضہ کے ساتھ ارسالِ خدمت ہے۔ ”مجالسِ ذکر“ اور ”ذکر بالجہر“ پر احقر کے پیش

کردہ مؤقف میں طائفہ منصورہ اہل السنّت والجماعت علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال کی روشنی میں جو سقم ہے احقر بصد شکریہ اس کی اصلاح کرے گا۔

خط جوابی لفافہ کے ہمراہ رجسٹری بھیج رہا ہوں تاکہ خط آپ تک پہنچنا یقینی ہو اور آپ کے جواب سے مشرب ہو سکوں۔

دعواتِ صالحہ کی درخواست ہے۔

والسلام

نثار احمد الحسینی

مدینہ مسجد، محلّہ زاہد آباد، حضرو، اٹک۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

(۱) راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام نثار احمد الحسینی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم الجمعہ ۵ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ

مطابق ۲۵ ستمبر ۲۰۰۹ء

بخدمت جناب محترم نثار احمد صاحب الحسینی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

نصیب کریں اور اپنی مرضیات پر چلائیں۔ اور ساری زندگی سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں گزارنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔ بجاہِ النبی الکریم ﷺ

آپ کا خط اور رسالہ الارشاد کا شمارہ ڈاک میں ملا۔ خط پڑھنے کے بعد الارشاد سے آپ کا مضمون "مجالس ذکر" ص ۱۱ سے ص ۵۲ تک بغور مطالعہ کیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کا مضمون پڑھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے مضمون کا خلاصہ آپ نے اپنے خط میں بھی لکھ دیا ہے کہ:

احقر کے ایک مضمون "مجالس ذکر ایک علمی اور تحقیقی جائزہ" از ماہنامہ "الارشاد" اٹک بابت رجب، شعبان ۱۴۱۸ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء ٹریکٹ نمبر ۶، ۷ پر گرفت فرماتے ہوئے "ذکر بالجہر" کو بدعت قرار دیا۔...... الخ[1]

(۲) آپ نے لکھا ہے کہ:

جو صاحب احقر کے مضمون پر کچھ کلام کرنا چاہتے ہیں، ماہنامہ الارشاد اٹک کی ایک کاپی بھی اس عریضہ کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔

[1] آپ کا مکتوب محررہ ۲۵ رمضان ۱۴۳۰ھ، ۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

"مجالس ذکر" اور "ذکر بالجہر" پر احقر کے پیش کردہ مؤقف میں طائفہ منصورہ اہل السنت و الجماعت علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال کی روشنی میں جو سقم ہے احقر بصد شکریہ اس کی اصلاح کرے گا"

خط جوابی لفافہ کے ہمراہ رجسٹری بھیج رہا ہوں تا کہ خط آپ تک پہنچنا یقینی ہو اور آپ کے جواب سے مشرف ہو سکوں۔ دعواتِ صالحہ کی درخواست ہے۔"[1]

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا مؤقف

"مجلس ذکر کی نوعیت" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ذکر اللہ تو مطلوب و مقصود ہے اور یہ روح کی غذا ہے، چناں چہ قرآن مجید میں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۱، ۴۲)

اے ایمان والو! تم اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ صبح و شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو۔[2]

البتہ اختلاف تو مجلس ذکر کی نوعیت میں ہے کہ ذکر جہر ہو یا خفی،

---

[1] مکتوب محررہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۳۰، ۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ء۔

[2] ترجمہ حضرت تھانویؒ۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

انفرادی ہو یا اجتماعی۔"

آپ کے مضمون پر تبصرہ جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے کر دیا ہے، بندہ کے خیال میں وہ کافی ہے۔ اس کی روشنی میں آپ اپنی اصلاح کر لیں۔ ان شاء اللہ محروم نہیں رہیں گے۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے جیسا کہ لکھا ہے:

"کاش کہ وہ یہ مضمون نہ لکھتے اور جو دماغ اور وقت انہوں نے اس میں صرف کیا ہے اور بطور ایک مشن وہ محنت کر رہے ہیں، اتنا وقت وہ اپنی اصلاح میں لگاتے تو کچھ کام بن جاتا۔ انہوں نے حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر کو بھی بطور حجت پیش کیا ہے اور بعض دوسرے حضرات بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ: فعل مشائخ حجت نہ باشد۔

(۲) بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں جو قابلِ اتباع نہیں ہوتے۔"[1]

ذکر جہر کا مقصد

حضرت لاہوریؒ فرماتے ہیں:

عرض یہ ہے کہ ذکر جہر کا مقصد یہ ہے کہ تمام خیالات ایک جگہ بند ہو جائیں۔......

[1] مذکورہ مضمون حضرت مولانا قاضی مظہر حسین۔ ماہنامہ حق چار یار ص ۷۶

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی بہرے کو تو نہیں سنا رہے۔[1]

(۲) مولانا عبید اللہ صاحب انورؔ فرماتے ہیں:

حضرت (لاہوریؒ) فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔...... الخ (ہفت روزہ خدام الدین۔ مجلس ذکر۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر اور مروجہ مجالس ذکر میں بڑا فرق ہے۔ اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔...... الخ

حالاں کہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں۔ (براہین قاطعہ از مولانا خلیل احمد سہارنپوری)

ارشادِ خداوندی:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ[2]

ترجمہ: (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کر، اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ

---

1 مجلس ذکر ح۵، ص۱۰۸۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ۔ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء۔

2 سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵۔

اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کے داعی حضرات اس حکم خداوندی کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ جو حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) کے تحت لکھتے ہیں:

”تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے۔ اور ذکر جہر بدعت ہے مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی شرعی ضرورت پیش آئے۔ مثلاً

اذان، اقامت، اور یا عید الاضحیٰ (عید قربان) کے ایام کی تکبیریں اور امام کے نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا یا تلبیہ یعنی ایام حج میں لبیک لبیک بلند آواز سے کہنا۔ وغیرہ“[1]

---

1 تفسیر مظہری ج ۳، زیرِ آیت ۵۵۔ الاعراف۔

(۳)اور مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی میں ہے:

"منع از ذکر جہری کنند کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشند۔(مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳۱)

یعنی اگرچہ ذکر جہر سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بدعت ہونے کی وجہ سے مشائخ نقشبندیہ اس سے منع کرتے ہیں۔"

اور اکابر نے جو انفرادی طور پر ذکر جہر کی اجازت دی ہے وہ بعرضِ علاج ہے۔ خود جہر مقصود نہیں ہے۔ بہرحال مروجہ مجالس ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں۔ان کو ترک کرنا چاہیے۔"[1]

بندہ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے مضمون کا خلاصہ تحریر کر دیا ہے۔اب اگر آپ کے مضمون کا مقصد بھی وہی ہے جو انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے تو پھر دونوں کا مؤقف ایک سمجھا جائے گا۔ اور اگر آپ کے مضمون کا خلاصہ اس موقف کے برعکس ہے تو پھر آپ کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے موقف کو بھی اپنے مضمون میں اضافہ کرتے ہوئے، اور اپنی اصلاح کرتے ہوئے اپنے بیان کردہ موقف پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے متوسلین کو اس پر عمل کرنے کی تاکید کر دیں۔

1 مضمون مولانا قاضی مظہر حسینؒ ماہنامہ حق چاریار حضرت جہلمی نمبر، جولائی تا نومبر ۱۹۹۶ء۔

خادم اہلسنت عبدالواحد الحنفی حفظہ

اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنی بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے اپنے جاری کردہ معمول کو جاری رکھیں۔ نتیجہ آخرت پر چھوڑ دیں۔ جو نتیجہ نکلا، سامنے آجائے گا۔ اس میں نزاع کی ضرورت نہیں۔

نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

بندہ کی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بیعت

بندہ حضرت الشیخ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے جب بیعت ہوا تو مصافحہ کرتے ہوئے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کوئی وظیفہ بتائیں، جو پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ "پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کریں"

اس طرح بندہ کو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بیک وقت کئی سعادتیں نصیب ہو گئیں۔ زیارت، بیعت، کلام، شاگردی (وظیفہ پوچھنے کی شکل میں نصیب ہو گئی۔) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے انتقال فرمانے کے بعد بندہ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ سے بیعت کر لی اور ایک خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ کے مکان پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ وضو کے لیے اٹھے تو بندہ نے معانقہ کیا۔ جب جدا ہوا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

کی شکل حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی شکل میں ہو گئی۔ بندہ نے اس خواب کا تذکرہ ایک خط میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ سے کیا تو آپ نے جواب لکھا وہ مکتوب نقل کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ جس میں خواب کی تعبیر ہے۔

خط حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ

حافظ عبدالوحید صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مکتوب ملا۔ طالب خیر بخیر ہے۔

آپ نے جو خواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی زیارت کے متعلق لکھا ہے تو حضرت شیخ الحدیث کی زیارت مبارک ہے۔ خواب کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور خواب کوئی شرعی حجت بھی نہیں البتہ مبشرات سے ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے متوسلین سے جو میرا اختلاف ہے اس خواب سے تو میرے مؤقف کی تائید ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ شیخ الحدیث صاحب میرے گھر تشریف لائے ہیں۔

اور معانقہ میں حضرت شیخؒ میری صورت میں آپ کو دکھائی دیے ہیں جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خادم اہل سنت کا اختیار کردہ مؤقف و مشرب حضرت شیخ الحدیثؒ کا پسندیدہ ہے اس خواب کے ذریعہ آپ کے اس تذبذب کو دور کیا گیا ہے جو آپ کو اس حالیہ

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

اختلاف میں تھا۔ واللہ اعلم

گذشتہ سال بندہ کو حضرت الشیخ المدنیؒ قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی۔ میں حضرت کے دائیں طرف تھا اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سامنے بیٹھے ہیں۔ غالباً اس مجلس میں حضرت مولانا جہلمی بھی تھے۔ میں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو یہ خواب بتایا تھا۔ اور اس سے میں نے یہ تعبیر نکالی کہ مولانا عزیز الرحمٰن کو اب حضرت مدنیؒ کا مؤقف ہی اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن مولانا موصوف اس سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت نے ان کے مؤقف کی بھی تائید کر دی ہے۔ حالاں کہ یہ مطلب صحیح نہیں۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

جناب صوفی محمد اقبال صاحب جس طرح خلافتیں تقسیم کر رہے ہیں، فن تصوف و سلوک کے معیار پر یہ بالکل غلط ہے۔ مجھے تو ان سے جب سے ہی اختلاف ہے۔

پھر نعل شریف کا نقشہ انہوں نے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب زاد السعید کے حوالہ سے پھیلایا ہے۔ حالاں کہ حضرت تھانویؒ اس سے رجوع فرما چکے ہیں۔

پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے رسالہ ہفت مسئلہ سے عرس و میلاد کا جواز نکالا۔ حالاں کہ یہ رسالہ لکھا حضرت تھانویؒ نے ہے اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ سے خط و

کتابت کے بعد حضرت تھانویؒ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔

اب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات کے بعض اقتباسات لے کے ان حضرات نے ایک رسالہ "اسلامی ذوق" شائع کیا ہے محض عرس کے جواز کے لیے اور اس کے رد میں ایمانی ذوق بھی آچکا ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔

یہ تو بجائے دیوبندیت کے بریلویت کے اپنانے کے طریقے ہیں۔

حالاں کہ اکابر علمائے دیوبند میں سے حتیٰ کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے کبھی کسی بزرگ کا عرس نہیں کیا۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

یہ پہلا موقع ہے کہ یہ حضرات اس کا جواز بلکہ ضرورت ثابت کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ مولانا امین صاحب اوکاڑوی نے تو مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اب یہ حضرات کہتے ہیں کہ وائرلیس وغیرہ آلات کے ذریعہ جب دور کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں تو عالم برزخ میں روح کے لیے تو کوئی قرب و بعد نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ دور سے بھی درود و سلام سُن لیں۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

بریلوی محبت ہی کی بنا پر پھسلتے ہیں پھر پھسلتے پھسلتے کہاں تک پہنچ گئے۔

ذکر اللہ روح کی غذا ہے۔ گویا ذکر مطلوب ہے۔ لیکن جب بھی اس میں غیر محتاط رویہ اختیار کیا جائے گا، بجائے نفع کے نقصان ہو گا۔

مولانا اللہ یار خان صاحب مرحوم کے متوسلین بھی ذکر کو پھیلا رہے ہیں۔ میاں اجمل قادری بھی روحانیت پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب یہ حضرات بھی مجالس ذکر کو پھیلا رہے ہیں۔

نیت خواہ اچھی ہی ہو جب بھی افراط و تفریط کسی عمل میں آجائے انجام کار نقصان ہی ہوتا ہے۔ اور تصوف و سلوک تو اصلاح نفس کے لیے ہے۔ اور ہر کس و ناکس کو اجازت و خلافت کے دینے میں اصلاح نفس کے بجائے فساد نفس ہی حاصل ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اکابر مجتہدین اہل سنت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دیں اور عصری فتنوں سے محفوظ فرمائیں اور اہل السنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین

بجاہ النبی الکریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

والسلام

خادمِ اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

۲۷ فروری ۱۹۹۴ء

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

(۲)حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی شخصیت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی شخصیت تو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ کئی بار آپ نے زیارت کی ہو گی۔ بندہ کو تو الحمدللہ یہ سعادت ۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء سے ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء تک ۴۹ سال نصیب ہوئی۔ چاند کی تاریخوں کے حساب سے نصف صدی آپ کو دیکھا، آپ کو سنا اور آپ کی تعلیمات سے استفادہ نصیب ہوا۔ بلکہ وفات کی رات کو بھی آخری ملاقات کے لیے علماء کے وفد کے ساتھ آپ کے کمرہ میں جانا نصیب ہوا۔ اور وفات سے قبل مصافحہ کی سعادت بھی ملی جس کے بعد دروازہ بند ہو گیا۔ اور سحری کے وقت آپ اللہ اللہ کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کا وصیت نامہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہو گا۔ اس کی ایک کاپی جو اس سال کی روئیداد میں شائع ہوئی، ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے یہ فانی زندگی کس طرح گزاری۔

(۲)حضرت مدنیؒ نے آپ کے متعلق مکتوبات میں لکھا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کریم کارساز بندہ نواز نے آپ کو قرب و حضور اور معیت کی نعمت وجدانی طور پر عنایت

فرمائی ہے۔ اور نسبت میں قوت اور ترقی عطا فرمائی۔“

....

آپ کو جو تعلیم دی جاچکی ہے یہ آخری سب طُرق کی تعلیم ہے۔ اسی پر کاربند رہیے اور اسی میں ترقی اور مداومت جاری رکھیے۔ استقامت اور کوشش سے آپ بڑے سے بڑے مقامات پر پہنچ سکتے ہیں۔...... الخ (مکتوبات حضرت مدنیؒ ج ۴، مکتوب ۱۷ ر اگست ۱۹۵۰ء)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا طریقہ تعلیم

بندہ نے ۴۹ سال آپ کی زیارت کرتے اور خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے یہ دیکھا کہ آپ نے خانقاہی طریقہ کے بجائے انفرادی تعلیم وتربیت کی۔ جو بیعت ہوتا اس کو حضرت مدنیؒ کے شجرہ سلاسلِ طیبہ میں سے فرمودہ تسبیحات کا ذکر بتادیا کرتے اور انفرادی طور پر ذکر میں اضافہ کا بتادیا کرتے۔ بندہ کو بھی اس سلسلہ میں خطوط میں ذکر کی تلقین کرتے رہے۔ وہ چند خط بھی اپنے قلم سے نقل کر کے بطور یادداشت بھیج رہا ہوں۔ حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر خلافت میں بہت احتیاط کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے صرف چار بزرگوں کو اجازت دی جن میں بیٹے کو بھی شامل نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ کو وصیت نامہ سے معلوم ہو گیا ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسومات اور بدعات سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اپنے متوسلین کو ذکر وظیفہ کی تلقین و تاکید تو فرماتے رہے، لیکن ملک میں مروجہ مجالس ذکر کے طریق پر آپ نے کبھی مجلس ذکر نہیں کرائی۔ اور الحمدللہ کہ آپ کے خلفاء بھی اسی طریقہ پر کاربند ہیں اور متوسلین کی اسی طریقہ سے تربیت واصلاح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا نصیب کریں اور ہم سب کی بخشش فرمائیں۔ آمین۔

خادم اہل سنت عبدالوحید الحنفی چکوال

۵ شوال ۱۴۳۰ھ

۲۵ ستمبر ۲۰۰۹ء

۱۰ بجے دن۔ بروز جمعہ

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

(۲) مکتوب حضرت حافظ نثار احمد صاحب الحسینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین۔ امّا بعد:

محترم جناب حافظ عبدالوحید حنفی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے مزاجِ عالی بعافیت ہوں گے۔ آپ نے احقر کے خط کا

جواب دیا۔ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرًا۔ احقر نے آپ کو لکھا تھا کہ:

آپ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کا مقالہ متعلقہ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف جہلمیؒ سالانہ روئیداد ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء مدرسہ اظہار الاسلام میں شائع کیا۔ جس میں حضرت قاضی صاحبؒ نے احقر کے مقالہ "مجالس ذکر" مشمولہ ماہنامہ "الارشاد" اٹک کے متعلق لکھا:

اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کیے ہیں، اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔[1]

آپ کے نام احقر کے عریضہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپ نے جب حضرت قاضی صاحبؒ کا یہ مضمون دوبارہ شائع کیا ہے، تو آپ راہنمائی فرمائیں کہ میرے مضمون "مجالس ذکر" میں کیا غلط استدلال ہیں اور کن حوالہ جات میں احقر نے خیانت کی ہے؟

مگر آپ کے سات صفحات کے خط میں میری اس گزارش کا جواب آپ نے کہیں بھی نہیں لکھا۔ میرے اس اصل مدعٰی کے بجائے آپ نے ذکر بالجہر اور مجالسِ ذکر پر حضرت قاضی صاحبؒ کا مؤقف بیان کیا ہے۔ دونوں عنوانات پر الگ الگ عرض کرتا ہوں۔

---

1 "سالانہ روئیداد" ۲۰۰۸ء ص ۵۹۔ از خط نمبر ا۔

ذکر بالجہر

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ "ذکر بالجہر" کو فقط علاج کے طور پر جائز سمجھتے ہیں، ورنہ اسے بدعت قرار دیتے ہیں، مطلقاً بدعت سمجھتے تھے۔

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے اس مؤقف پر ان کی تحریرات سے درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

۱: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ [1]

(آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ) اے شخص! اپنے رب کی یاد کر، اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کے داعی حضرات اس حکم خداوندی کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (خط ص ۴)

حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے آپ کا سورۃ الاعراف کی آیت

[1] سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵۔

نمبر ۲۰۵ کو پیش کرنا بھی درست نہیں۔ اس آیت میں تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَةً وَّ دُوۡنَ الۡجَهۡرِ کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دون الجہر بھی جہر کا ادنیٰ درجہ ہے۔[1]

اب اس آیت کو ذکر بالجہر کی تردید میں پیش کرنا اور ذکر بالجہر کے عاملین کو حکم خداوندی کا مخالف قرار دینا اگر درست ہے تو حضرت گنگوہیؒ پر آپ کیا حکم لگائیں گے؟[2]

۲: حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ آیت اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ کے تحت لکھتے ہیں:

"تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے۔ اور ذکر جہر بدعت ہے مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی شرعی ضرورت پیش آئے۔ مثلاً

اذان، اقامت، اور یا عید الاضحیٰ (عید قربان) کے ایام کی تکبیریں

[1] فتاوٰی رشیدیہ مع تالیفاتِ رشیدیہ ص ۲۱۸۔

[2] نثار احمد الحسینی نے یہاں اسلوب مماتیوں والا اختیار کیا ہے۔ جیسے مماتی لوگ دلائل مطلق موت کے ذکر کرتے ہیں اور ان سے موت فی القبر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ بعینہٖ اس طرح مجالسِ ذکر جہر منعقد کرنے والے اہلِ بدعت حضرات اپنے دلائل سب مطلق ذکر کے جمع کر کے اُن سے تداعی کے ساتھ مجالس ذکر بالجہر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ارشاد کا وہ مطلب نہیں جس سے تداعی کے ساتھ مجالس ذکر بالجہر کا جائز ہونا ثابت ہو۔ شریعت میں جہاں ذکر جہر سنت سے ثابت ہے، وہاں جائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

اور امام کے نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا یا تلبیہ یعنی ایام حج میں لبیک لبیک بلند آواز سے کہنا۔ وغیرہ"[1] (خط ص ۴)[2]

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے ذکر بالجہر کی تردید میں تفسیر مظہری کا حوالہ نقل کیا ہے۔ اگر آپ خود تفسیر مظہری دیکھ لیتے تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ یہ حوالہ آپ کے مؤقف میں مفید نہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ یہاں ذکر کی دو صورتیں جہر اور خفی کے مواقع مسنونہ کا فرق بیان فرما رہے ہیں۔ کہ جن مواقع میں ذکر خفی ثابت ہے، وہاں جہر بدعت ہے، اور پھر جہر کے مسنون مواقع کو بیان فرمایا۔ یہاں سنت اور بدعت کا فرق واضح فرمایا، نہ کہ مطلقاً ذکر بالجہر کو بدعت فرمایا۔ اس لیے کہ بدعت سنت کے مقابل ہونے کا نام ہے۔ سلاسلِ تصوّف میں جو ذکر بالجہر

---

1 تفسیر مظہری ج ۳، زیرِ آیت ۵۵۔ الاعراف۔

2 علامہ حبلیؒ لکھتے ہیں کہ:

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:

بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً... (تم اپنے رب کو عاجزی سے چپکے پکارو) کے خلاف ہے۔ (کبیری، ص ۵۶۶)

اس عبارت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مذکورہ ارشاد کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔ (راہ سنت مؤلفہ علامہ سرفراز خان صفدرؒ ص ۱۷۷)

سکھایا جاتا ہے وہ علی وجہ المسنون نہیں سکھایا جاتا، بلکہ مقاصد سلوک کے حصول کے لیے بطور مستحب سکھایا اور کرایا جاتا ہے۔

اگر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے ہاں ذکر بالجہر مطلقاً بدعت ہوتا تو وہ کبھی اس کے جواز کے قائل نہ ہوتے۔ اگر آپ تفسیر مظہری دیکھیں تو آپ کی نقل کردہ حوالہ سے پہلے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث قدسی انا ظنّ عبدی...... الخ کے ذیل فرماتے ہیں:

فانّ ھٰذا الحدیث یفید ذکر الجھر و الخفی کلیھا۔

۳/۳۶۱[1]

خادم اہلسنّت حافظ عبد الوحید الحنفی

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے آپ کے نقل کردہ حوالہ کے بعد ذکر بالجہر کے مسئلہ کو ''فَصْلٌ'' کے مستقل عنوان سے لکھا ہے۔

چناں چہ لکھتے ہیں:

فصلٌ: اعلم! أن الذّکر علی ثلٰثۃِ مراتبِ احدھا الجھر و رفع الصوت بھا و ذٰلک مکروہ اجماعا الا اذا دعت الیہ داعیۃ

---

[1] مسئلہ واضح ہے کہ شریعت میں جہاں ذکر جہر آیا ہے، وہاں ذکر جہر کرنا بدعت نہیں ہے۔ لیکن ان مقامات کے علاوہ ذکر جہر کرنا بدعت ہو گا، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا مطلب بھی وہی ہے۔ اہل بدعت کا یہ طریقہ ہے کہ دلائل تو مطلق ذکر یا ذکر بالجہر کے نقل کرتے ہیں اور ان سے تداعی کے ساتھ اپنی خانقاہوں میں جاری اجتماعی مجالس ذکر میں ذکر بالجہر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

و اقتضته حکمة فحینئذ قد یکون أفضل من الاخفاء کالاذانُ و التّلبیة و نحو ذٰلک۔ و لعل الصوفیّة الچشتیة قدس اللّٰہ تعالٰی اسرارھم اختاروا الجھر للمبتدی لاقتضاء حکمةٍ و ھی ذٰلک یشترط لذٰلک الاحتراز عن الریاء و السمعة۔ ۳/۲ ۳۶۲

یہ فصل ہے: جان لے! کہ ذکر کے تین مراتب ہیں۔ ان میں پہلا جہر ہے اور آواز کو ذکر کے ساتھ بلند کرنا ہے۔ اور یہ سوائے شرعی داعیہ اور خاص تقاضا شرعی کے اجماعاً مکروہ ہے۔ پس شرعی داعیہ اور تقاضا کے وقت ذکر بالجہر، ذکر خفی سے بھی افضل ہو گا۔ مثلاً: اذان اور تلبیہ وغیرہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر شیطان (یعنی شیطانی خیالات وغیرہ) کو دور کرتا ہے، غفلت اور نسیان کو ہٹاتا ہے۔ قلب میں (اللہ کی محبت کی) حرارت پیدا کرتا ہے۔ (ذکر بالجہر کی) محنت سے اللہ تعالٰی کی محبت بڑھتی ہے۔ ذکر بالجہر کے اس جواز کے لیے شرط ہے کہ ریا اور دکھلاوے سے پاک ہو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے نہ صرف ذکر بالجہر کے جواز کے مواقع میں سلاسلِ تصوّف میں سکھائے جانے والے ذکر بالجہر کو بھی شامل فرمایا ہے، بلکہ اس کے فوائد بھی لکھے ہیں۔ اگر سلاسلِ تصوّف میں سکھائے جانے والا ذکر بالجہر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے ہاں

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

بدعت ہوتا تو وہ اس کے جواز اور فوائد کو کبھی نہ بیان فرماتے۔ اس لیے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالہ سے ذکر بالجہر کی تردید میں آپ کا نقل کردہ یہ اقتباس آپ کے مؤقف کو مفید نہیں۔[1]

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے حوالہ سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر آپ نے تیسری دلیل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

۳: اور مکتوبات امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ میں ہے:

منع از ذکر جہری کنند کہ بدعت است باآنکہ ذوق وشوق می بخشند۔[2]

یعنی اگرچہ ذکر جہر سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بدعت ہونے کی وجہ سے مشائخ نقشبندیہ اس سے منع کرتے ہیں۔[3]

مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کا یہ حوالہ بھی ذکر بالجہر کی تردید میں پیش

---

[1] یہاں بھی نثار احمد الحسینی صاحب نے مشروط ذکر بالجہر کو نظر انداز کر کے مطلق ذکر بالجہر کے جواز کو لے کر مروجہ تداعی کے ساتھ مجالس ذکر کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالاں کہ محدث ابنِ بطال کا قول البدایہ والنہایہ، ج ۱۰ ص ۲۷۰ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ چاروں بڑے ائمہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے مذاہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے جہاں سنت نہیں وہاں بالجہر ذکر کرنا مستحب نہیں۔ اور مولانا احمد علی صاحب لاہویؒ نے بھی یہی فرمایا کہ یہ نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت ہے۔ اس سے صاف ظاہر فرما دیا کہ جب سنت نہیں تو مجالس ذکر میں یہ ذکر بالجہر مستحب بھی نہیں، صرف بطور تعلیم کے ہے۔ اگر کوئی اس کو بطور تعلیم نہیں بلکہ مستحب سمجھے گا تو پھر بدعت ہے۔

[2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳۱۔

[3] خط ص ۴

کرنا درست نہیں، یہ عبارت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نہیں بلکہ سائل کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پہلے سائل کا خط نقل فرمایا، پھر جواب لکھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جو عبارت آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کی طرف سے پیش کی ہے، اس کا ابتدائی حِصّہ چھوڑ دیا گیا۔ اصل بات اس طرح شروع ہوتی ہے:

و ایضاً پرسیدہ اند کہ منع از جہر کنند کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشند۔ (دفتر اول ح۴، مکتوب نمبر ۲۳۱۔ ص ۲۲)

اس لیے سائل کی عبارت کو مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟[1]

اور عبارت کا ابتدائی حصہ جو اس کی حیثیت کو واضح کر رہا ہے اس سے چشم پوشی کر کے عبارات میں یوں قطع برید کرنا کہاں کی علمی خدمت ہے؟

آپ مکتوبات ج۱، ح۴، ص ۲۲ فارسی دیکھ لیں اور فیصلہ کریں کہ

---

[1] سائل کا سوال حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہی نقل کر کے جواب دیا۔ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے ذکر جہر سے منع کرنے پر سائل نے لکھا تھا۔ اور آپ نے خود بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ مجدد صاحبؒ نے یہ الفاظ لکھ کر سائل کو جواب دیا ہے۔ اگر مجدد صاحبؒ کے ذکر جہر سے منع کرنے پر سائل سوال نہ کرتا تو مجدد صاحبؒ یہ الفاظ نقل نہ کرتے۔ پھر حضرت مجدد صاحبؒ نے سوال نقل کر کے آگے آپؒ نے پھر بھی ذکر جہر سے منع کیا ہے۔ کیا مجدد صاحبؒ کا جواب آپ کی تائید کرتا ہے یا ذکر جہر سے منع کرنے والوں کی تائید کرتا ہے؟

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

حوالہ دینے میں احقر نے اپنے مضمون میں خیانت کی ہے یا یہ علمی دیانت ہے؟

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارت کی مزید وضاحت میں حضرت مجددؒ کے جانشینِ سلسلہ اور تعلیماتِ مجددیہ کے اپنے وقت میں سب سے بڑے شارح حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (م۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) فرماتے ہیں:

وقسم سوم از اقسام ثلاثہ: ذکر لسانی است یا ذکر قلبی معاً و ایں اکمل اقسام ذکر است و ایں نیز دو وجہ دار و یکے اکتفا ذکر است در ذکر کردن بر اسماع نفس ہمیں است ذکر خفی در زبانِ شرع ماخوذ است از آیہ ادعو ربکم تضرعاً و خفیۃ انہ لایحب المعتدین۔ دویم اسماع غیر است کہ در شرع مسمی بجہر است و در مواقع خاص افضل است از خفی نہ مطلقاً۔

اور تیسری قسم ذکر کی زبان سے یادِ حق کرنا ہے۔ اس طور سے کہ دل میں بھی حق تعالیٰ کی یاد ہو اور یہ ذکر تمام اقسام ذکر میں سب سے زیادہ کامل ہے۔ اور اس ذکر کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنانے پر اکتفاء کرے (زیادہ آواز سے ذکر نہ کرے) اس کو شریعت میں ذکر خفی کہتے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ سے ماخوذ ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِیْنَ یعنی پکارو اپنے رب کو تضرّع (اور اخفاء) کے ساتھ۔ دوم اتنا زور سے ذکر کرے کہ دوسرا شخص بھی سن سکے، اس کو شرع میں ذکر جہر کہتے ہیں اور یہ ذکر جہر خاص خاص صورتوں میں ذکر خفی سے بھی افضل ہے، مطلقاً افضل نہیں۔[1]

عصر حاضر میں تعلیماتِ مجددیہ کے شارح اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ الشیوخ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ (م۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء) مکتوبات مجدد الف ثانیؒ میں ذکر بالجہر کی ممانعت کے ذیل میں بعض علماء کی طرف سے لفظ "بدعت" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ذکرِ جہر جائز ہے جب کہ شرائط کا لحاظ رکھے اور جہر مفروط کو قربتِ مقصودہ نہ سمجھے۔ بلکہ جو مصلحتیں مشائخ نے بتائی ہیں ان کی بنا بغرض علاج کرے۔ اور بدعت سے ان حضرات (مشائخ نقشبندؒ) کی مراد غالباً بدعت طریقے ہو گی۔ (حاشیہ عمدۃ السلوک ح۲: ۲۳۰)

---

[1] کشکول حضرت مفتی محمد شفیعؒ ۲۴۳۔

اب خاص خاص صورتیں وہی ہیں جہاں ذکر جہر مسنون ہے، اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ اختلاف تو اہلِ بدعت کی ان مجالس ذکر میں ہے جو آج بریلویوں نے ہر نماز باجماعت کے بعد اجتماعی ذکر جہر شروع کیا ہوا ہے۔ یا خانقاہوں میں بعض مشائخ تداعی کے ساتھ مجالس ذکر بالجہر منعقد کرتے ہیں۔

ذکر بالجہر پر اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے سالانہ روئیداد کے مذکورہ مقالہ میں لکھا گیا ہے:

۴: اور اکابر نے جو انفرادی طور پر ذکر جہر کی اجازت دی ہے وہ بغرض علاج ہے، خود جہر مقصود نہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے آپ نے ذکر بالجہر کے متعلق جو مذکورہ مؤقف پیش کیا ہے وہ آپ کے پہلے مؤقف سے متضاد ہے۔ ایک طرف تو آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر بالجہر باوجود فوائد کے بدعت ہے۔ اور دوسری طرف اسے ذریعہ علاج قرار دے رہے ہیں۔ بدعت کس طرح ذریعہ علاج ہو سکتا ہے؟

کیا آپ اس کی کوئی صورت واقعہ بتا سکتے ہیں کہ ایک کام بدعت بھی ہو اور علاج امراضِ روحانیہ بھی؟[1]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

[1] علاج اس لیے کہا کہ بیمار آدمی دوا بیماری کو دور کرنے کے لیے، بطور شوق نہیں بطور علاج استعمال کرتا ہے۔ جوں ہی بیماری دور ہو، علاج کے لیے دوائی جو لیتا ہے، چھوڑ دیتا ہے۔ وہ دوائی کو بطور علاج تو مجبوراً لیتا ہے، بطور شوق و ثواب کے لیے نہیں لیتا۔ اسی طرح استاذ ذکر جہر کی تعلیم کے لیے اور انفرادی تعلیم کے طور پر شاگرد کو الگ الگ بطور تعلیم ذکر کا طریقہ سکھانے کے لیے ذکر جہر کی مشق کرا کر علاج کرتا ہے۔ پھر جب تعلیم مکمل کر لیتا ہے، پھر اپنی اپنی جگہ ذکر خفی کر کے ثواب حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ذکر جہر کو وہ فرض، واجب، سنت یا مستحب نہیں سمجھتا۔ اس لیے یہ بدعت نہیں ہے۔ جوں ہی یہ فرض، واجب، سنت یا مستحب سمجھے گا اس پر بدعت ہونے کا حکم صادر ہو جائے گا۔

دوسرے اس مؤقف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب علاج کی ضرورت نہ رہے، ذکر بالجہر بدعت ہو گا۔ یہ صورت بھی اکابر علمائے دیوبندؒ کے مؤقف کے خلاف ہے۔ علمائے دیوبندؒ کے مسلک کے ترجمان امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنیؒ ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذکر الٰہی خواہ باخفا ہو یا بجہر (ہو عبادت ہے) اور اگرچہ ذکر خفی بوجہ عدم مظنہ ریاذکر جہر سے افضل ہے۔ لیکن اگر ذکر جہر خالی از ریاودیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ ہو توبوجہ مشقت ذکر خفی سے افضل ہوتا ہے۔[1]

آپ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: کسی بہرے کو تو نہیں سنارہے ہو۔[2]

حضرت لاہوریؒ نے روایت ذکر بالجہر کی تردید میں نقل نہیں فرمائی بلکہ جہر مفرط (چیخنے چلانے) کی اصلاح کرتے ہوئے بیان فرمائی

---

[1] فتاویٰ مظاہر علوم: ۱ / ۳۲۸

[2] خط ص ۳۔

ہے۔ اس لیے اس روایت کو ذکر بالجہر کی تردید میں پیش کرنا درست نہیں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قُلْتُ هٰذَا الْحَدِيْثُ وَ إِنْ كَانَ الا عَلٰى افْضَلِيَّةِ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ لٰكِنْ قَوْلُهٗ ارْبَعُوْا عَلٰى انْفُسِكُمْ يَدُلُّ علی اَنَّ النَّهْيَ عَنِ الْجَهْرِ وَ الْاَمْرَ بِالْاِخْفَاءِ اِنَّمَا هُوَ شَفْقَةٌ لَا لِعدَمِ جَوَازِ الْجَهْرِ اَصْلًا وَّ كَذَا "خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ"۔(التفسیر المظہری:۳/ ۳۶۲)

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس حدیث سے اگرچہ ذکر خفی کی افضلیّت ثابت ہوتی ہے۔ مگر اپنے لیے سکون اختیار کرو کا لفظ بتا رہا ہے کہ ذکر خفی کا حکم اور ذکر جہری کی ممانعت صرف تقاضائے محبت و شفقت کے زیر اثر تھا۔ یہ وجہ نہ تھی کہ ذکر جہری جائز ہی نہ ہو۔ اور یہی مطلب حدیث خیر الذکر الخفی (بہتر ذکر خفی) کا ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

مضمون اربعوا دلالت دارد کہ منع از جہت شفقت است نہ از جہت عدم جواز و بہ تحقیق جہر کردہ است آں حضرت باذکار و ادعیہ در مواطن کثیرہ چناں کہ در خفر خندق و حمل سنگ و خشت برای مسجد

وجزء آن و ہمچنین آنچہ آمدہ است از سلف صحابہ و من بعد ہم وہمہ اینہا دلالت دارد بر جواز جہر و اجتماع برای ذکر۔(اشعۃ اللمعات:۲/ ۱۸۹)

اس حدیث میں (کلمہ اربعوا اپنے لیے آسانی اختیار کرو میں) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہر سے آسانی اور نرمی کے لیے (شفقتاً) منع کیا گیا ہے۔نہ کہ ذکر بالجہر کی نامشروعیت کی وجہ سے ...... اس لیے کہ آپ ﷺ سے اکثر مقامات پر اذکار اور دعاؤں میں جہر ثابت ہے۔جیسا کہ: خندق کھودنے کے موقع پر، مسجد کے لیے اینٹ اور پتھر اٹھانے کے وقت اور اسلاف صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی جہر ثابت ہے۔اور یہ تمام امور جہر کے جواز ب اور ذکر کے لیے اجتماع کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت علامہ محمد عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء) حدیث مذکورہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وَ مَا رُوِیَ الصَّحِیْحِ اَنَّهٗ قَالَ لِرَافِعِیْ اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّکْبِیْرِ: (ارْبَعُوا عَلٰی أَنْفُسِکُمْ اَنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمَّ وَّلَا غَائِبًا، إِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا) اَلْحَدِیْثُ: یَحْتَمِلُ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ هُنَاکَ فِی الرَّفْعِ مُصْلَحَةٌ، فَقَدْ رُوِیَ اَنَّهٗ کَانَ فِیْ غَزَاةٍ، وَّ لَعَلَّ عَدَمُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِیْ نَحْوِ بِلَادِ الْحَرْبِ خُدْعَةٌ، وَ لِهٰذَا نَهٰی عَنِ الْجَرْسِ فِی الْمُغَازِیْ۔(سباحۃ الفکر:۲۷)

حدیث اربعوا علی انفسکم: اور جو صحیح روایت ہے کہ آپ نے تکبیر (اللہ اکبر) بلند آواز کہنے والے کو فرمایا: اپنے آپ کو سکون پہنچاؤ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں سنا رہے۔ تم سننے والے اور قریب کو پکار رہے ہو۔ (الحدیث) ممکن ہے کہ اس منع کرنے کے مقام پر آواز بلند کرنے میں مصلحت نہ ہو۔ اسی لیے روایت کیا گیا ہے کہ یہ ایک غزوہ کا موقع ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑائی کے علاقہ میں آواز بلند کرنا (مناسب نہ ہو کہ دشمن کو تمہاری موجودگی کا پتہ چل جائے) جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: "لڑائی ایک دھوکہ ہی ہے" اسی لیے جنگ میں باجے وغیرہ (آوازوں) سے روکا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس حدیث کی تشریح میں شارح صحیح مسلم حضرت امام شرف الدین نوویؒ (۶۷۲ھ / ۱۲۷۷ء) کی تشریح نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ النَّوَوِیؒ فِی (شرح صحیح مسلم) قَوْلُهٗ (اِرْبَعُوْا) بِهَمْزَةِ وَصْلٍ، وَ فَتْحِ الْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ مَعْنَاهُ اِرْفَقُوْا بِاَنْفُسِكُمْ، وَ اخْفَضُوْا اَصْوَاتَكُمْ، فَاِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ اِنَّمَا يَفْعَلُهُ الْاِنْسَانُ لِبُعْدِ مَنْ يُّخَاطِبُهٗ فَفِيْهِ النَّدْبُ اِلٰى خَفْضِ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ اِذَا لَمْ تَدْعُ حَاجَةٌ اِلٰى رَفْعِهٖ، فَاِنَّهٗ اِذَا خَفَضَهٗ كَانَ اَبْلَغُ فِیْ تَوْقِيْرِهٖ وَ تَعْظِيْمِهٖ، فَاِنْ دَعَتْ حَاجَةٌ اِلٰى الرَّفْعِ رَفَعَ۔ (سباحۃ الفکر: ۳۴،۳۵)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ترجمہ: امام نوویؒ نے شرح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی یوں تشریح کی ہے کہ آپ نے فرمایا (اربعوا) ہمزہ الوصل اور با کی فتح کے ساتھ جس کے معنی ہیں اپنے اوپر رحم کرو اور آدمی اپنی آواز اس وقت بلند کرتا ہے جب وہ اپنے مخاطب کو ایسی جگہ دیکھتا ہے جو اس سے دور ہوتا ہے۔ گویا یہاں پست آواز میں ذکر کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے جبکہ بلند آواز کی ضرورت نہ ہو۔ گویا پست آواز میں ذکر کی تعظیم و توقیر زیادہ ہوگی اور جب جہر کی حاجت ہوگی تو پھر آواز کو بلند کرنا ہوگا۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

اس تفصیل کے بعد علامہ عبدالحی لکھنویؒ اس حدیث شریف سے ذکر بالجہر کی مخالفت کشید کرنے والے حضرات کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ الْجَوَابُ عَنْهُ مِنْ وَجْهَيْنِ: اَحَدُهُمَا: اَنَّ الْاَمْرَ فِيْ (اِرْبَعُوْا) لَيْسَ لِلْوُجُوْبِ حَتّٰى يُكْرَهَ الْجَهْرُ اَوْ يُحْرَمُ، وَ كَيْفَ وَ مَعْنَى الرِّبْعَ يُنْبِئُى عَنْ اَنَّ الْاَمْرَ اِنَّمَا هُوَ لِلتَّيْسِيْرِ عَلَيْهِمْ، وَ لِذَا قَالَ الشَّيْخُ الدِّهْلَوِيُّ علیہ الرحمۃ فِيْ (لَمْعَاتُ شَرْحُ مِشْكوٰة) فِيْ قَوْلِهٖ (اِرْبَعُوْا) اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّيْسِيْرِ وَ الْاِرْفَاقِ، لَا لِكَوْنِ الْجَهْرِ غَيْرَ مَشْرُوْعٍ، اِنْتَهٰى فَلَا يَثْبُتُ مِنْ ذَالِكَ اِلَّا اِسْتِحْبَابُ السِّرِّ، وَ لَا كَلَامَ فِيْهِ، وَ اِلٰى هٰذَا اَشَارَ مُسْلِمٌ فِيْ

(صَحِیۡحِہٖ) بِعِنۡوَانِ الۡبَابِ، وَالنَّوَوِیُّ فِیۡ (شَرۡحِہٖ)
وَ ثَانِیۡھَا: بِاَنَّ جَھۡرَھُمۡ کَانَ مُفۡرِطًا کَمَا یَدُلُّ عَلَیۡہِ سِیَاقُ بَعۡضِ الرِّوَایَاتِ، قَالَ فِیۡ (فَتۡحِ الۡوُدَوۡدِ شَرۡحِ سُنَنِ اَبِیۡ دَاوٗدُ) فِیۡ قَوۡلِہٖ (رَفَعُوۡا اَصۡوَاتَھُمۡ) دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّھُمۡ بَالَغُوۡا فِی الۡجَھۡرِ، فَلَا یَلۡزِمُ مِنۡہُ الۡمَنۡعُ مِنَ الۡجَھۡرِ مُطۡلَقًا، اَنۡتَھٰی۔
ثُمَّ قَالَ بَعۡدُ تَفۡصِیۡلٍ: وَ وَجۡہُ الثَّالِثُ: ھُوَ اَنَّہٗ لَوۡ لَمۡ یَمۡنَعُھُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَلۡ قَرَّرَھُمۡ عَلَیۡہِ لِتَوَھَّمُوۡا اَنَّ رَفۡعَ الصَّوۡتِ بِالذِّکۡرِ فِی السَّفۡرِ اَوۡ عِنۡدَ صُعُوۡدِ الثَّنِیَّۃِ مَسۡنُوۡنٌ، فَاِنَّ السُّنِیَّۃَ کَمَا تَثۡبُتَ بِالۡفِعۡلِ وَ الۡقَوۡلِ، کَذَالِکَ تَثۡبُتُ بِالتَّقۡرِیۡرِ، وَ لَیۡسَ کَذَالِکَ، فَلِذَالِکَ نَھٰی رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنۡہُ سَدًّا لِلذَّرَائِعِ وَ تَیۡسِیۡرًا عَلَی الۡاُمَّۃِ، وَ لَا دَلَالَۃَ عَلٰی مَنۡعِ الۡجَھۡرِ مُطۡلَقًا، کَمَا لَا یَخۡفٰی۔ (سباحۃ الفکر: ۳۶، ۳۸)

حضرت مولانا عبدالحیؒ مسلم شریف کی حدیث (اَرۡبَعُوۡا عَلٰی اَنۡفُسِکُمۡ) کے بارے میں تفصیل سے تحریر کرتے ہیں اور اس کا جواب دو طریقوں سے دیا جاتا ہے۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں امر (اربعوا) میں وجوب کے لیے نہیں ہے کہ جس سے (ذکر بالجہر) مکروہ یا حرام کر دیا جائے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اربعوا کے معنی ٹھہرنا، توقف کرنا۔ یہاں امر ان پر آسانی اور سہولت کے

معنی میں ہے۔ عبدالحق محدث دہلویؒ نے (اللمعات شرح مشکوٰۃ) میں لکھا ہے نبی کریم ﷺ کا قول (اربعوا) میں جہر سے منع کرنا برائے سہولت اور نرمی کے لیے ہے۔ نہ اس لیے کہ جہر غیر مشروع ہے۔ اس سے ذکر خفی کا صرف مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ اس طرف امام مسلم نے اپنی الصحیح میں باب کے عنوان سے اور امام نوویؒ نے اپنی شرح میں اشارہ کر دیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ جہر مفرط تھا یعنی حد سے زیادہ بلند آواز سے ذکر تھا۔ جیسے بعض روایات کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے فتح الودود شرح سنن ابی داؤد میں آیا ہے کہ (رَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ) انہوں نے اپنی آوازیں بلند کر دیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی آوازیں زیادہ بلند کر دی تھیں۔ اس سے جہر مطلق منع کرنا لازم نہیں آتا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ منع نہ فرماتے اور انہیں اپنے حال پر رہنے دیتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ذکر بلند آواز سے کرنا سفر کے دوران اور گھاٹی پر چڑھنے کے دوران مسنون ہو جاتا۔ کیوں کہ کسی عمل کا مسنون ہونا جیسے قول اور فعل سے ہوتا ہے ایسے ہی تقریر سے بھی ہو جاتا ہے۔ (کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک کام ہو رہا ہو۔ اور آپ منع نہ فرمائیں تو وہ کام بھی مسنون ہو جاتا ہے) یہاں ایسا نہیں ہوا

یعنی ذکر بالجہر سے منع کر دیا گیا۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے سد ذرائع کے طور پر بھی ذکر بالجہر کو منع کر دیا۔ اور پھر امت پر آسانی اور سہولت کے پیش نظر کیا۔ یہاں پر ذکر جہر سے مطلق منع کرنے کی کوئی دلیل نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اسی طرح دوسری روایت خیر الذکر الخفی (بہتر ذکر آہستہ ہے) وغیرہ کی تشریح میں بھی اسلافِ امت نے اسی طرح وضاحت فرمائی ہے کہ کسی بھی روایت سے "ذکر بالجہر" کی مطلقاً ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ جہاں بھی روکا گیا ہے تو کسی مصلحت سے۔ ورنہ "ذکر بالجہر" آیات و احادیث اور اسلاف کے عملی تواتر و توارث سے ثابت ہے۔ حضرات فقہائے کرامؒ نے ذکر بالجہر کے جواز کے لیے جو شرائط بیان فرمائی ہیں وہ آیات و احادیث کے انہی مطالب، سیاق و سباق اور محدثین کی تصریحات سے لی گئیں ہیں۔

مجالسِ ذکر

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے لکھا ہے: "ارشاد خداوندی ہے:

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ [1]

[1] سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵۔

ترجمہ: (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کر، اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کے داعی حضرات اس حکم خداوندی کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔............... بہر حال مروجہ مجالس ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں۔ ان کو ترک کرنا چاہیے۔[1]

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ سے ذکر بالجہر کے عدم جواز پر استدلال پر گزشتہ سطور میں حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔

جہاں تک اس آیت سے مجالس ذکر کے عدمِ جواز کا استدلال وہ بھی درست نہیں۔ جب حضرت حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ کا تعلق منع جہر سے ہے ہی نہیں، بلکہ جوازِ جہر سے ہے۔ تو انفرادی ہو یا اجتماعی اس آیت سے نہ منع کہلا سکتا ہے اور نہ ذکر بالجہر انفرادی یا اجتماعی کے قائلین وعاملین حکم

[1] خط ص ۳، ۴۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید

خداوندی کے نظر انداز کرنے والے قرار دیے جاسکتے ہیں۔

جہاں تک مجالس ذکر کا تعلق ہے، مجالسِ ذکر احادیث، اُثار، تعامل اسلاف اور خاص کر علمائے دیوبند قدس سرھم سے تواتراً اور توارثاً ثابت ہیں۔ جو عمل اس انداز سے ثابت اور تعاملِ امت سے مؤیّد ہو وہ بدعت نہیں ہو سکتا ہے۔

جہاں تک "مسئلہ تداعی" کا تعلق ہے، احقر کے مضمون مشمولہ ماہنامہ "الارشاد" اٹک میں مسئلہ تداعی کی وضاحت موجود ہے۔ آپ دوبارہ دیکھ لیں اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو آگاہ فرمائیں۔

آئمہ احناف میں سے کوئی ایسا اصول نہیں منقول جو مستحبات کی مطلق تداعی کو بدعت قرار دیتا ہو۔ عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:

"شارع نے جس کا اہتمام و تداعی سے حکم فرما دیا وہ اس طرح ہووے اور جس کو مطلق فرما دیا اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہیے، ورنہ تبدیل کا حکم شرعی اور بدعت ہو جائے گا۔"[1]

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے براہین قاطعہ کا جو اقتباس نقل کیا ہے کہ:

"حالاں کہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز

[1] براہین قاطعہ ص ۱۱۸۔ الارشاد ص ۵۰، ۵۱۔ مجالس ذکر۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

نہیں۔" (براہین قاطعہ از مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ)

"براہین قاطعہ" میں یہ اقتباس احقر نے نہیں دیکھا اگر آپ کی نظر میں ہے یا حضرت قاضی صاحبؒ کے مسودات میں یہ حوالہ بقید صفحہ موجود ہے تو نشان دہی فرمادیں۔[1]

ذکر اللہ کے لیے تداعی خود صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرّہ حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے، وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہو رہا تھا۔ واپس جاکر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ ابوہریرہؓ نے پوچھا کہ آخر کیا ہو رہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ چند لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ لوگ تلاوت

---

[1] حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طویل عبارت کا یہ خلاصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں براہین قاطعہ ص ۱۵۳ پر حضرت سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:
پس غور کرنا چاہیے کہ ذکر مولود مندوب و مستحسن ہے۔ مگر صلوٰۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ افضل القربات اور خیر موضوع ہے۔ مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی و اہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں، بدعت لکھتے ہیں۔ یہاں ذکر مولود میں گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں، بدعت ہووے گا۔ (براہین طاقعہ ص ۱۵۳)

میں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔[1]

آپ سے مکرر درخواست ہے کہ تداعی پر احقر کے مضمون مشمولہ ماہنامہ "الارشاد" کو دیکھ لیں۔ اگر کوئی غلطی ہے تو احقر بشکریہ تسلیم کرے گا۔

ذکر بالجہر کی تائید میں ائمہ اور اکابر کا تعامل اور تائید ایک تفصیلی عنوان ہے۔ متأخرین میں سے متقدمین اور متأخرین اکابر کے علوم کے جامع اور مرجع الاحناف حضرت علامہ ابن عابدین الشامیؒ (م ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۷ء) کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَجْمَعُ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَّ خَلَفًا وَّ عَلٰی اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسَاجِدِ وَ غَيْرِهَا اِلَّا اَنْ يُّشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلِّيٍّ اَوْ قَارِئٍ۔ (در المختار: ۱/ ٦٦٠)

علمائے سلف و خلف کا مجالس ذکر جو کہ مساجد میں ہوں یا کسی اور جگہ کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ ذاکرین کے ذکر بالجہر سے سوئے ہوئے یا نمازی یا تلاوت وغیرہ کرنے والے کو تشوین ہو۔ یعنی اس صورت میں منع ہو گا۔[2]

---

[1] "فضائل تبلیغ" اخر فصل ۷ ص ۴۰ مشمولہ فضائل اعمال ص ۶۳۲ کلاں مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور

[2] جب قرآن کریم اور حدیث شریف میں آہستہ ذکر کرنے کا حکم ہے تو اس کے خلاف کسی کا عمل

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

مروجہ مجالس ذکر

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

مولانا عبید اللہ صاحب انورؒ فرماتے ہیں:

حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔...... الخ[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر اور مروجہ مجالس ذکر میں بڑا فرق ہے۔ اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔...... الخ

حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے مضمون میں مجالسِ ذکر کی تردید فرماتے ہوئے کئی جگہ مروّجہ کی قید لگائی ہے۔ مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجالسِ ذکر کی مروجہ صورتیں مجالسِ ذکر کو فرض، واجب یا سنت سمجھنا، لاؤڈ سپیکر پر ذکر کرنا ہے۔ اس پر عرض خدمت ہے کہ علمائے دیوبند قدس سرھم اور ان کے

کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ حضرات ائمہ اربعہ جہر سے ذکر کرنے کو غیر مستحب کہتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ اور تصریح کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کے خلاف ہے۔ جب کہ ائمہ اربعہ کا ذکر بالجہر کے خلاف اتفاق ہے تو ذکر بالجہر کے جواز پر اتفاق کیسے ہوا؟ کیا ائمہ اربعہ متقدمین میں نہ تھے؟ حضرت ابنِ عباسؓ سے منقول حدیث کا امام شافعیؒ نے یہی مطلب پیش کیا ہے کہ کسی وقت تعلیم کے لیے ایسا کیا تھا، بعد میں چھوڑ دیا۔ دوام اس پر ہرگز نہ ہوا تھا۔ (راہ سنت ص ۷۹ علامہ سرفراز خان صفدرؒ)

[1] ہفت روزہ خدام الدین۔ مجلس ذکر۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

امام اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

خلفائے کرام کے ہاں مجالسِ ذکر کو نہ تو فرض سمجھا جاتا ہے نہ واجب نہ کسی پر لازم اور نہ سنت بمعنیٰ سنت مؤکدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اور نہ لاؤڈ سپیکر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی مجلس ذکر میں لاؤڈ اسپیکر استعمال بھی ہوا ہے تو ذکر کے لیے نہیں بلکہ ذکر سے پہلے یا ذکر کے بعد بیان، وعظ کے لیے ہے۔ ذکر بالجہر اور انعقادِ مجلس کو سنت بمعنیٰ مؤکدہ نہیں بلکہ سنت بمعنیٰ غیر مؤکدہ یعنی مستحب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے جہاں مجالسِ ذکر قرآن، سنت کے مطابق ہو رہی ہیں اور فقہاء کے بیان کردہ شرائط کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان مجالسِ ذکر کو بھی مروّجہ کی قید لگا کر نا جائز، بدعت، مکروہ اور قابلِ ترک قرار دینا کس طرح درست ہے؟

آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

حضرت لاہوریؒ کی مجلسِ ذکر اور مروّجہ مجالسِ ذکر میں بڑا فرق ہے۔ (خط ص ۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں حضرت لاہوریؒ کے دور کی مجالسِ ذکر درست ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کی مجالسِ ذکر کے بیانات ''مجالس ذکر'' ہی کے عنوان سے مطبوعہ ہیں۔ خود حضرت قاضیؒ نے بھی اپنے مضمون میں انہی مطبوعہ ''مجالسِ ذکر'' سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کے ان مطبوعہ بیانات

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ کے ہاں مجالسِ ذکر میں درج ذیل امور کا اہتمام تھا۔[1]

۱۔ مجالسِ ذکر طریقہ قادریہ راشدیہ پر ہوتی تھیں۔

۲۔ مجالسِ ذکر میں ذکر بالجہر ہوتا تھا۔

۳۔ مجلسِ ذکر سے پہلے رئیس الطائفہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو باقاعدہ ان کا نام لے کر ایصالِ ثواب کیا جاتا تھا۔

۴۔ مجالسِ ذکر جہری مسجد میں ہوتی تھیں۔

۵۔ مجلسِ ذکر میں مختلف اذکار مرحلہ وار کیے جاتے تھے۔

۶۔ مجلس ذکر میں مختلف اذکار کی راہنمائی حضرت لاہوریؒ خود فرماتے تھے۔ یعنی ایک مرحلہ ختم ہوا، دوسرا شروع کرانا آپ پر موقوف تھا۔ ذاکرین خود ذکر کا مرحلہ تبدیل نہ کرتے تھے۔

۷۔ حضرت لاہوریؒ ذکر اللہ کے مختلف مراحل کو باقاعدہ شمار کرتے تھے۔

۸۔ حضرت لاہوریؒ ذکر اللہ کے مراحل کے شمار کے لیے باقاعدہ تسبیح استعمال فرماتے تھے۔

---

[1] حضرت لاہوریؒ تو فرماتے ہیں کہ یہ مجالس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہیں اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔ لیکن اہل بدعت کی طرح اس سے نثار احمد صاحب جواز کی بیس صورتیں کس طرح نکال کر اہل بدعت کی ترجمانی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

۹۔ مجلسِ ذکر کے اذکار میں آخر میں ”ھُو“ کا ذکر بھی اسی طرح جہر سے ہوتا تھا۔

۱۰۔ مجلسِ ذکر کے بعد باقاعدہ اجتماعی مراقبہ ہوتا تھا۔

۱۱۔ مجلسِ ذکر کے دوران روشنی بند کر کے اندھیرا کر دیا جاتا۔

۱۲۔ حضرت لاہوریؒ مجلسِ ذکر کے لیے باقاعدہ دعوت دیتے تھے یعنی یہ مجالسِ ذکر تداعی کے ساتھ ہوتی تھیں۔

۱۳۔ حضرت لاہوریؒ کے ہاں یہ مجلسِ ذکر دن اور رات کے تعین کے ساتھ ہر جمعرات کو بعد از مغرب ہوتی تھیں۔

۱۴۔ اس مجلسِ ذکر میں صرف حضرت لاہوریؒ کے متوسلین ہی شریک نہ ہوتے تھے، بلکہ دوسرے حضرات بھی شریک ہوتے تھے۔

۱۵۔ حضرت لاہوریؒ اس مجلسِ ذکر میں اپنے متوسلین کے علاوہ حضرات کی شرکت پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

۱۶۔ حضرت لاہوریؒ اس مجلسِ ذکر میں اپنے متوسلین کے علاوہ حضرات کو باقاعدہ شرکت کی دعوت دیتے تھے۔

۱۷۔ حضرت لاہوریؒ کے دونوں شیوخ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے ہاں یہ مجالسِ ذکر روزانہ بعد از نماز مغرب ہوتی تھیں۔

۱۸۔ حضرت لاہوریؒ کے خلفاء نے بھی باقاعدہ مجالسِ ذکر کا اہتمام

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

رکھا۔[1]

۱۹۔ حضرت لاہوریؒ مجلسِ ذکر کو قرآن وسنت کے بیان کردہ طریقہ ذکر کے مطابق سمجھتے تھے۔

۲۰۔ حضرت لاہوریؒ اپنے ہاں مجلسِ ذکر کے اس طریقہ کی باقاعدہ سند حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک بیان فرماتے تھے۔

اب آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ:

آپ کے نزدیک حضرت لاہوریؒ کے ہاں مجالسِ ذکر کا اہتمام جائز ہے یا ناجائز، بدعت ہے یا مستحب، باعث اجر و ثواب ہے یا لائق عذاب؟

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

۳۔ حضرت لاہوریؒ کے خلفاء کے ہاں مذکورہ بیس امور کے اہتمام کے ساتھ مجالس ذکر کا انعقاد ناجائز ہے یا جائز؟ بدعت ہے یا مستحب، باعثِ اجر وثواب ہے یا لائق عذاب؟

۴۔ حضرت لاہوریؒ کے ہاں مذکورہ بیس امور کے اہتمام اور امورِ بدعت سے بچتے ہوئے مجالسِ ذکر کا اہتمام ناجائز ہے، بدعت ہے یا

---

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:
امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔ صرف یہی کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابی حسن نوری کا عمل۔ (مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ، ج ا مکتوب ۲۶۶)

مستحب، باعثِ اجر و ثواب یا لائق عذاب؟

۵۔ حضرت لاہوریؒ مذکورہ بیس امور کے اہتمام کے ساتھ مجالسِ ذکر کے انعقاد سے حکمِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے والے کہلائیں گے یا حکمِ خداوندی سے روگردانی کرنے والے؟[1]

آپ نے اپنے خط میں وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے روحانی مقام اور ان کی دینی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

الحمدللہ احقر کو حضرت قاضی صاحبؒ کا یہ روحانی مقامِ عالی نہ صرف تسلیم ہے بلکہ آپ کے بیان کردہ سے زیادہ تسلیم کرنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحبؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع دیا ہے۔ میں ان کے اخلاص، تقویٰ اور علم و عمل کو آپ کے بیان کردہ امور سے بدرجہا زیادہ پایا ہے۔ میں انہیں اللہ تعالیٰ کے اولیاء اللہ اور دینِ حق کے علمبرداروں میں سے یقین کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

[1] ان سب شبہات اور خیالات کا جواب جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے اور جس دوامِ فعل خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو وہ امر خواص کو اعلان و دوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ سبب مذموم کا مذموم ہے۔...... پس ظاہر ہو گیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو، وہ مکروہ ہوتا ہے۔ (براہین قاطعہ مؤلفہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مصدقہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ص ۴۴۹)

جن میں حضرت قاضی صاحبؒ بھی شامل ہیں، کے متعلق سوء ظن کو سوءِ خاتمہ کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے دینِ حق اور مسلکِ اکابر علمائے دیوبند کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہوئی تھی۔ ان کی شخصیت کا سب سے اعلیٰ پہلو ان کے عقیدہ و عمل میں لچک نہ ہونا تھا۔

البتہ ملحوظ رہے کہ احقر حضرت قاضی صاحبؒ کے متعلق اسی نقطہ نظر کو برحق سمجھتا ہے جو انہوں نے حضرت لاہوریؒ وغیرہ دوسرے اکابر سے بعض مسائل میں اختلاف کرتے ہوئے ان کے متعلق لکھا ہے اور آپ نے بھی اپنے خط میں اسے نقل کیا ہے کہ:
بزرگوں کے بعض تفرّدات ہوتے ہیں، جو قابلِ اتباع نہیں ہوتے۔[1]

مجالسِ ذکر اور ذکر بالجہر پر احقر نے اکابر علمائے دیوبندؒ کا مؤقف خود ان کے حوالہ جات سے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ احقر کے پہلے خط کا عنوان یہ نہ تھا۔ یہ تو آپ کے پیش کردہ مؤقف پر ایک وضاحتی تحریر ہے۔ اس خط و کتابت کا اصل مدعا حضرت قاضیؒ کے مضمون متعلقہ ماہنامہ "الارشاد" اٹک کو آپ کا دوبارہ شائع کرنا ہے۔

[1] ماہنامہ حق چاریار، ج ۱۱، ش ۷ تا ۱۱، خصوصی اشاعت حضرت جہلمیؒ نمبر، ص ۷۶

خادم اہلسنت عبدالوحید حنفی

اس لیے جناب سے مکرر درخواست ہے جو پہلے خط میں بھی عرض کر چکا ہوں کہ:

حضرت قاضی صاحبؒ کا مضمون چوں کہ آپ نے شائع کیا ہے اس لیے احقر اس کا حق رکھتا ہے کہ آپ سے یہ درخواست کر سکے۔

آپ کے اس مضمون کو شائع کرنے سے اہل حق کو کوئی فائدہ کیا پہنچے گا، باطل کے ہاتھ ضرور مضبوط ہوں گے۔ ہمارے یہاں حضرو میں غیر مقلدین کے ایک مشہور پیشوا زبیر علی زئی مدیر ماہنامہ الحدیث حضرو نے آپ کے شائع کردہ مضمون کے حوالہ سے احقر کو لکھا:

قاضی مظہر حسین چکوالوی دیوبندی نے حافظ نثار احمد الحسینی کے ایک مضمون کے بارے میں علانیہ لکھا ہے:

اس مضمون میں انہوں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کیے ہیں۔ اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔ (سالانہ روئیداد ۲۰۰۷ء تا ۲۰۰۸ء۔ ص ۵۹)

معلوم ہوا کہ قاضی مظہر حسین دیوبندی کے نزدیک نثار احمد:

کم علم

کم فہم

اور خیانت کا مرتکب (یعنی خائن) ہے۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

کیا آپ قاضی مظہر حسین کا کوئی ایسا مستند حوالہ پیش کر سکتے ہیں، جس میں قاضی مذکور نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا تھا؟

امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات جلد ارسال کریں گے۔ ان شاء اللہ۔[1]

احقر نے زبیر علی زئی کو الحمدللہ اس کا جواب لکھ دیا ہے۔ زبیر علی زئی کا خط اور احقر کا جواب دونوں کی فوٹو کاپی بھی ارسال خدمت ہے۔ زبیر علی زئی کے ساتھ علمائے دیوبند قدس سرّھم پر اس کے اعتراضات کے جواب میں احقر کی ڈیڑھ سال سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ مگر الحمدللہ اس نے احقر کے پہلے خط میں اس سے پوچھے گئے ستر سوالات کا جواب اس نے ابھی تک نہیں دیا۔

اگر آپ کسی عنوان پر تحریر شائع کرنے سے پہلے اس کے عواقب کو دیکھ لیں تو شاید آپ سے باطل یوں فائدہ نہ اٹھا سکے۔ آپ کا خط موصول ہو چکا تھا۔ آپ نے اس میں لکھا:

بندہ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے مضمون کا خلاصہ تحریر کر دیا ہے۔ اب اگر آپ کے مضمون کا مقصد بھی وہی ہے جو انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے تو پھر دونوں کا مؤقف ایک سمجھا جائے گا۔ اور اگر آپ کے مضمون کا خلاصہ اس موقف

[1] خط زبیر علی زئی غیر مقلد محرّرہ ۱۴/ اکتوبر ۲۰۰۹ء۔ ایضاً خط محرّرہ ۱۴/ جنوری ۲۰۱۰ء

کے برعکس ہے تو پھر آپ کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے موقف کو بھی اپنے مضمون میں اضافہ کرتے ہوئے، اصلاح کرتے ہوئے اپنے بیان کردہ موقف پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے متوسلین کو اس پر عمل کرنے کی تاکید کر دیں۔

اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنی بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے اپنے جاری کردہ معمول کو جاری رکھیں۔ نتیجہ آخرت پر چھوڑ دیں۔ جو نتیجہ نکلا، سامنے آ جائے گا۔ اس میں نزاع کی ضرورت نہیں۔

نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

(از خط ص ۵)

حالاں کہ احقر نے آپ سے اپنے مضمون مطبوعہ ماہنامہ ”الارشاد“ میں آپ کے شائع کردہ مضمون کے مطابق غلط استدلال اور علمی خیانتوں کی وضاحت چاہی تھی۔ مگر آپ کے اس جواب سے احقر مایوس ہو گیا اور آپ کو جواب لکھنے کا ارادہ مؤخر کر دیا تھا۔ مگر پھر آپ نے خط کے بعد مفتی محمد رضوان صاحب کی کتاب ”اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم“ اسی مقصد کے لیے ساتھ ارسال کی۔

اس لیے اب یہ عریضہ بھی اسی یاد دہانی کے ساتھ ارسال کر رہا

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہوں۔[1]

اس میں آپ کے خط کے مندرجات کی وضاحت ہے۔ جہاں تک مفتی محمد رضوان کی کتاب ”اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا حکم“ کا تعلق ہے۔ احقر نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب میں سوائے مغالطات اور حوالہ جات کے جوڑ توڑ کے اور کچھ نہیں۔[2] اگر آپ

---

[1] نثار احمد صاحب کے سوالات کا اجمالی جواب تو پہلے خط میں ہی دے دیا تھا۔ جس میں ان کی کم علمی اور کم فہمی اور خیانت کا خوش اسلوبی سے تذکرہ کر دیا تھا، لیکن وہ بوجہ کم علمی، کم فہمی سمجھ نہیں رہے۔ حالاں کہ کم علمی اور کم فہمی کے تذکرہ سے کسی کی توہین کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ہر بڑے سے بڑے عالم اور بڑے سے بڑے فہیم سے اوپر کئی عالم اور فہیم ہو سکتے ہیں، اور ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر بڑے سے بڑا عالم بھی اپنی کسرِ نفسی کے تحت اپنے آپ کو کم علم اور کم فہم ہی شمار کرتا ہے اور کم علمی اور کم فہمی سے بعض اوقات لاعلمی میں خیانت بھی ممکن ہے۔ بے عیب ذات صرف انبیائے کرامؑ کی ہوتی ہے۔ ان کی بھی وحی کی صورت میں راہنمائی کر کے ان کے علم میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ میں سورہ کہف میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

[2] مولانا مفتی محمد رضوان صاحب نے اپنی کتاب ”اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا حکم“ میں علمی تحقیق سے دلائل دیے ہیں۔ لیکن آپ لکھ رہے ہیں کہ احقر نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس کتاب میں سوائے مغالطات اور حوالہ جوات کے جوڑ توڑ کے اور کچھ نہیں۔
حالاں کہ جن حوالہ جات کو آپ نے اپنی کم علمی اور کم فہمی سے نظر انداز کر دیا، یا خیانت کرتے ہوئے ان پر غور و فکر نہ کیا۔ مولانا نے ان کو اس کتاب میں باحوالہ درج کر کے اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ اگر آپ اس کو دوبارہ مطالعہ کریں، اکابر کی تحقیق کو آپ اپنی تحقیق پر ترجیح دیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو اور تحقیق کو اوّلیت دیں تو آپ مولانا مفتی رضوان صاحب کی کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے کوئی مغالطہ دیا ہے یا حوالہ کو غلط جگہ جوڑا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی کم علمی یا کم فہمی سے اس کتاب کو سمجھ نہ سکے تو دوسری بات ہے، اس کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ الهادی۔

نے اس کتاب کی بنیاد پر خود کچھ لکھا تو ان شاء اللہ اس پر بھی حسبِ مقدور عرض کر دیا جائے گا۔ دعواتِ صالحہ کی درخواست ہے۔

والسلام

نثار احمد الحسینی

۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ، یکم مئی ۲۰۱۰ء

(۲) راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام حافظ نثار احمد الحسینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از چکوال

۲۱ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء

محترم جناب حافظ نثار احمد صاحب الحسینی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائیں آمین۔

آپ نے بندہ کے خط کا جواب دیا، جس سے آپ کے نظریہ کے مزید دلائل سامنے آ گئے۔ اور آپ کے استدلال کا ماخذ معلوم ہو گیا۔ بندہ مفتی محمد رضوان صاحب کی کتاب سے متفق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم اور سمجھ دیں اور اپنی رضا نصیب کریں۔

خادم اہلسنّت حافظ عبد الوحید الحنفی

(۲) آپ نے پھر لکھا ہے کہ: احقر نے آپ سے اپنے مضمون مطبوعہ ماہنامہ "الارشاد" میں آپ کے شائع کردہ مضمون کے مطابق غلط استدلال اور علمی خیانتوں کی وضاحت چاہی تھی۔ مگر آپ کے اس جواب سے احقر مایوس ہو گیا اور آپ کو جواب لکھنے کا ارادہ مؤخر کر دیا تھا۔

مگر پھر آپ نے خط کے بعد مفتی محمد رضوان صاحب کی کتاب "اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم" اسی مقصد کے لیے ساتھ ارسال کی۔...... الخ

(۳) اب اسی مقصد کے لیے کتاب کا تیسرا ایڈیشن بھی ارسال ہے۔

(۴) آپ نے مزید لکھا ہے: جہاں تک مفتی محمد رضوان کی کتاب "اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا حکم" کا تعلق ہے۔ احقر نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب میں سوائے مغالطات اور حوالہ جات کے جوڑ توڑ کے اور کچھ نہیں۔ اگر آپ نے اس کتاب کی بنیاد پر خود کچھ لکھا تو ان شاء اللہ اس پر بھی حسبِ مقدور عرض کر دیا جائے گا۔[1]

مذکورہ کتاب کے تیسرے ایڈیشن کا مطالعہ کرنے کے بعد امید ہے

---

[1] اقتباس از خط محررہ۔ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ۔ یکم مئی ۲۰۱۰ء۔

کہ آپ اس سے اتفاق کریں گے۔ والسلام

خادم اہل سنت

عبد الوحید الحنفی (غفرلہٗ الرحمٰن الیٰ یوم المیزان)

(۳) راقم الحروف کا جوابی مکتوب بنام مولانا نثار احمد صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

۱۳۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء

محترم جناب حافظ نثار احمد صاحب الحسینی زید مجد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے آپ بخیریت ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

آپ کے مکتوب ملنے پر ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ایک مختصر عریضہ کے ساتھ ایک کتاب اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔ مؤلفہ مولانا مفتی محمد رضوان صاحب۔ ناشر ادارہ غفران کوہاٹی بازار راولپنڈی ارسال کی تھی۔ امید ہے کہ آپ کو مل گئی ہوگی۔ اب آپ کے مکتوب کا جواب تحریر کیا جارہا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے آپ کے مقالہ مجالسِ ذکر مشمولہ ماہنامہ

عبد الوحید الحنفی خادم اہلسنت

الارشاد اٹک کے متعلق لکھا تھا:

"اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلال پیش کیے ہیں، اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔ کاش کہ وہ یہ مضمون نہ لکھتے اور جو دماغ اور وقت انہوں نے اس میں صرف کیا ہے اور بطور مشن وہ محنت کر رہے ہیں، اتنا وقت وہ اپنی اصلاح میں لگاتے تو کچھ کام بن جاتا۔

انہوں نے حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر کو بھی بطور حجت پیش کیا ہے اور بعض دوسرے حضرات بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

(۱) فعل مشائخ حجت نہ باشد۔

(۲) بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں جو قابلِ اتباع نہیں ہوتے۔ چناں چہ حضرت لاہوری اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ فرمایا:

زندہ دلی کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا جائز ہے۔ لیکن اولیائے کرام کے مزارات پر سفر کر کے جانا منع ہے۔ میری تحقیق یہی ہے اور اگر کسی اور کام کے لیے کسی جگہ جائیں تو پھر اولیاء کرام کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضری دینا جائز ہے۔[1]

---

1 مجلس ذکر ج۳ ص۲۶۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

حالاں کہ اکابر مشائخ اہل سنت دیوبند اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

چناں چہ حضرت مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

نیز اولیاء اللہ اور مشائخ کے مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے۔ اور فراغت کے اوقات میں ان کے مزاروں پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کرے۔ (سلاسل طیبہ مؤلفہ حضرت مدنیؒ)

اور حضرت لاہوریؒ کے متوسلین اور خلفاء نے بھی غالباً حضرت لاہوریؒ کی مندرجہ تحقیق پر عمل نہیں کیا اور وہ مزارات اولیاء کے لیے سفر کرتے رہتے ہیں۔

ذکر جہر کا مقصد

خادم اہلسنت عبدالوحید الحنفی حفظہ

عرض یہ ہے کہ ذکر جہر کا مقصد یہ ہے کہ تمام خیالات ایک جگہ بند ہو جائیں۔ نہ ذکر زیادہ بلند آواز سے کرنا چاہیے نہ بہت آہستہ آہستہ۔ بعض نووارد آجاتے ہیں جن کو اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے لگتے ہیں۔ تربیت یافتہ احباب کا فرض ہے کہ ان کو روک دیا کریں۔ آہستہ سے کان میں کہہ دیں کہ اتنا زور نہ لگائیں۔

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی بہرے کو تو نہیں سنا رہے۔[1]

---

1 مجلس ذکر۔ ج۵، ص۸۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۵۷ء۔ ایضاً ملاحظہ ہو

(۲)حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے فرمایا:

(ا)حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔ اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔...... الخ

(۲) حضرت نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی۔ اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا تھا۔ حالاں کہ حضرت کا مزاج یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی حالت میں درسِ قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوری کی مجلس ذکر اور مروجہ مجلس ذکر میں بڑا فرق ہے۔

اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔ چناں چہ میں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی کی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مجلس ذکر کی کیسٹ سنی ہے۔ مجلس ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلس ذکر میں شامل کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی)

ہفت روزہ خدام الدین ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء۔

1 ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

لوگوں کو بلانا جائز نہیں۔[1] (ملاحظہ ہو براہین قاطعہ از حضرت مولانا

---

[1] مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

مروجہ مجالس ذکر کی طرح مجالسِ میلاد کے مجوزی نے جو بعض واقعات سے استدلال کیا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اس کے جواب میں تداعی نہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نفسِ ذکر مولود مندوب استحسن ہے مگر صلوٰۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور غیر موضوع ہے۔ مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی واہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع ہیں بدعت لکھتے ہیں۔ یہاں ذکرِ مولود بھی گو مندوب ہے مگر تداعی واہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں بدعت ہووے گا۔ (براہین قاطعہ۔ ص ۱۵۳)

(۲) "وہاں جو لوگ جو جمع ہوئے یوم ولادت میں تو زیارت مکان کے واسطے جمع ہوئے اور وہاں جو صلاۃ وسلام اور ذکر آپ ﷺ کے حالات کا تھا، وہ نفسِ ذکر آپ ﷺ کا تھا۔ چناں چہ بالکل ظاہر وبدیہی ہے۔ پس اس میں نہ اجتماع بتداعی ہوا تھا۔ (براہین قاطعہ ص ۲۶۵۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(۳) اور مسلم شریف کی ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

لاریب جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست ہے، مگر وہ جمع مباح ہونا چاہیے۔ سو حدیث مسلم میں مذاکرۂ قرآن کے واسطے اجتماع تھا، جو کہ مستحب ہے، بلکہ واجب ہے کہ تذکیر و تذکر دو وعظ ہی ذکر ہوا ہے، اس پر اجتماع مکروہ کو قیاس نہیں کر سکتے، یہ کوتاہی فہم کی ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۱۱۱۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ کسی حدیث وروایت میں اجتماعی ذکر کے تذکرہ یا ثبوت سے اس کے لیے جمع ہونے کا اہتمام یعنی تداعی کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور ایسا سمجھنا کوتاہی کی دلیل ہے۔

مگر اس کے برعکس اس قسم کی احادیث سے تداعی کے ساتھ اجتماع ثابت ہونے پر بعض لوگ بہت زور دے رہے ہیں اور دوسروں پر کوتاہی فہم کا الزام عائد کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے اکابر کی تشریحات کو ملاحظہ کرنے اور اپنی اکابر سے نسبت کا احساس کرنے کی ضرورت ہے۔ (اجتماعی ذکر کی مجلس کا شرعی حکم۔ مؤلفہ مفتی رضوان صاحب۔ ص ۱۲۰۔ تیسرا اڈیشن)

خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب لکھتے ہیں:

ایک دفعہ لاہور میں جمیعت علمائے اسلام کے اجلاس میں حاضری کے بعد منچن آباد ضلع بہاول نگر کے جلسہ میں شرکت کے لیے بذریعہ ریل مولانا عبید اللہ انور صاحب کے ساتھ گیا۔ راستے میں مولانا مرحوم سے میں نے کہا کہ یہ آپ نے کیا بنایا ہوا ہے کہ فلاں ماسٹر کو، فلاں حافظ کو، فلاں صوفی کو مجلس ذکر کی اجازت دیتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ خود حضرت لاہوریؒ نے مرکز میں بھی مجلس ذکر ختم کر دی تھی۔ پھر ہم نے عرض کر کے مجلس ذکر جاری

---

(۴) مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:
خلاصہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے عمل میں تو تداعی ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں، لیکن مبحوث فیہ اصطلاحی ذکر مطلق وارد ہوا ہے۔ اس میں تداعی اور اس جیسی دوسری قیود کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیوں کہ مطلق کو مخصوص کرنا ہے۔ جو کہ بدعت و زیادت فی الدین ہے نہ کہ مباح و مسکوت عنہ اور بدعت کا ارتکاب غیر مقصودی درجہ میں رہ کر بھی جائز نہیں ہوتا، لہٰذا اس قسم کی قیود والی موجودہ ترتیب کے ساتھ مجالس ذکر کو مسکوت عنہ اور مباح کا درجہ دینا درست نہیں۔
چناں چہ حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کے شیخ مربی (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ) کی عظیم تالیف براہین قاطعہ میں ہے:
"کسی فرد مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہے۔" (براہین قاطعہ ص۱۹۶۔ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۷۲)
(۵) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
تقید مطلق مامور کی بدعت ہے۔ کیوں کہ یہ قیود قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوئیں نہ بسبب اصل ذکر۔ (براہین قاطعہ ص ۱۷۹۔ واجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۷۲)

کرائی تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کے مفاسد پر نظر ہو گئی ہو گی۔ اور جو مروجہ مجالس ذکر کا حال ہے اگر یہ حضرت کی زندگی میں ہوتا تو آپ مجلس ذکر سے دوسروں کو بھی روک دیتے۔ کیوں کہ مفاسد کی وجہ سے امر مستحب بھی بدعت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اب تو مجلس ذکر گویا پیری مریدی کے لیے لازم سمجھی جاتی ہے۔ چناں چہ رسائل میں شائع ہوتا ہے فلاں حضرت صاحب نے فلاں جگہ مجلس ذکر کرائی اور فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائیں گے۔" ...... الخ

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

خلاصہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا فرمان میں نے اوپر نقل اس لیے کیا ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے استدلال میں اور آپ کے استدلال میں فرق واضح ہو جائے۔ ایک استدلال آپ کا ہے اور ایک استدلال حضرت قاضی صاحبؒ کا۔ ان میں آپ کے استدلال کے غلط ہونے پر حضرت قاضی صاحب نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اگر آپ اس استدلال سے مطمئن نہیں تو پھر بندہ کے خیال میں تو اور کوئی معروف شخصیت ایسی نہیں ہے جو آپ کو مطمئن کر سکے۔ واللہ اعلم

ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بدعات کی نفرت آپ کے دل

میں ڈال دیں تو یہ اس کا خاص فضل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا خصوصی فضل فرمائیں اور مروجہ بدعات سے ہم سب کو بچائیں۔ اور اپنی رضا نصیب کریں۔ آمین۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ارشادات

انوارِ ساطعہ کے مؤلف کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا (محمد زکریا صاحبؒ) کے مربی و شیخ (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) نے جو فرمایا، وہ من و عن مذکورہ دلیل کی تردید میں کافی ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

(انوار ساطعہ کا مؤلف) اس غلطی فاحش پر ناز کر کے کس دعوے پر کہتا ہے کہ مانعین نے کوئی دلیل منع کی نہیں لکھی سوائے قرون ثلاثہ میں موجود نہ ہونے کے۔ سبحان اللہ! جب یہی دلیل منع کی نہیں تو پھر کون سی دلیل مؤلف کے نزدیک معتبر ہووے گی کہ دلیل حاوی جمیع دلائل کو ہے۔ اور حجج اربعہ (یعنی قرآن و سنت و اجماع و قیاس (ناقل)) اس میں حصر ہو گئے ہیں۔ پس بعد حجج اربعہ کے شاید توریت و انجیل سے حجت کی خواہش مؤلف رکھتا ہو گا۔ معاذاللہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَال۔

پھر وہی بات ہے کہ مؤلف نے اپنے فہم سے اس کلام کے معنیٰ یہ سمجھے، اس وجہ سے تحریر لاطائل سے کاغذ سیاہ کیا اور غلط فہمی اس

کی اب ظاہر ہو چکی۔

وَاِذْلَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِیْمٌ۔[1]

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

بدعت کا احداث ہر گز جائز نہیں ہوتا کسی وجہ سے، یہ بھی لاعلمی مؤلف کی ہے قواعدِ دینیہ سے۔[2]

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

فی الحقیقت جو اہر خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو تو وہ خود ناجائز ہے۔(تذکرۃ الرشید ج۱، ص۱۲۸)

یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں ہے۔ اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ بھی ہو جائز الحصول نہ ہو گا۔(تذکرۃ الرشید ص۱۳۰)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اوپر کے کلیہ سے صباح منضم کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ جب تک اپنی حد پر ہو گا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام

---

[1] براہین قاطعہ ص۳۶۔۳۷۔بفضلہٖ۔

[2] براہین قاطعہ ص۱۴۲۔اور ذیل قاعدہ کم من احکام مختلف باختلاف الزمان کی تحقیق۔

سے حرام ہو جاتا ہے۔ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔[1]

(۲) آپ نے اپنے مکتوب محررہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۰ء میں لکھتے ہوئے اور بحث کرتے ہوئے یعنی حضرت قاضی صاحبؒ کے استدلال پر اپنے استدلال کے حق میں دلائل دیتے ہوئے طویل سوالات کیے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت قاضی صاحبؒ نے بدعات سے بچانے کے لیے جو لکھا ہے اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لاہوریؒ اپنی مجالس ذکر کو فرض، واجب، سنت نہیں سمجھتے تھے۔

بندہ نے اب تک آپ کے جواب میں کوشش کی کہ دونوں طرف کے استدلال تو نقل کر دوں لیکن کسی کے استدلال کو غلط ثابت کرنے میں نہ پڑوں کہ اس سے بزرگوں کی بزرگی میں بے ادبی کا خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ایمان محفوظ رکھیں۔ آمین۔

اس سلسلہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کی جب حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مرحومؒ سے بات ہوئی تو انہوں نے اس اشکال

[1] تذکرۃ الرشید ص ۱۳۳۔ و اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔ مؤلفہ مفتی رضوان صاحب ص ۱۳۹۔

کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں...... الخ[1]

خود حضرت لاہوریؒ کی طرف سے وضاحت ہوگئی اس لیے حضرت قاضی صاحب نے بھی فرمایا:

(۱) فعل مشائخ حجت نہ باشد

(۲) بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں جو قابل اتباع نہیں ہوتے۔

اسی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا، تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

ذکر اللہ اسی وقت مقبول ہے کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو، نہ بطور بدعت و معصیت کے، پس جو ذکر مرکب بدعت و معصیت سے ہو گا، اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی۔ چناں چہ پہلے بھی جواب اس سلسلہ (مغالطہ) کا ہوچکا ہے کہ منع کرنا بوجہ بدعت ہے نہ کہ بوجہ ذکر کے۔ (براہین قاطعہ ص ۱۱۳۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

چناں چہ ایک مقام پر براہین قاطعہ میں اس اصول کی وضاحت اسی طرح فرماتے ہیں:

ذکر فخر عالم ﷺ کا مطلق بلا کسی قید کے مندوب ہے۔ اور کسی

[1] ہفت روزہ خدام الدین۔ مجلس ذکر۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

خادم اہل سنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہیئت اور قیود سے مقید کرنا اس کا اگرچہ وہ قیود امور مباحثہ یا مندوبہ ہی ہوں۔ مگروہ بدعت ہے۔...... تداعی واہتمام وغیرہ اگر سب یا بعض جیسا مزاج ہے ذکر مولود کے ساتھ ہوویں گے تو وہ محفل بوجہ ان قیود کے اطلاق سے نکل کر بدعت ہوجائے گی[1]

مطلب یہ ہے کہ مقید کرنے کے بعد ہیئت حاصلہ و مرکبہ مکروہ و بدعت ہوجائے گی۔

اہل بدعت سے بچانے کے خیال سے حضرت قاضی صاحبؒ نے آگے مزید لکھا:

(۲) اکابر اہل سنت

اکابر اہل سنت دیوبند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس اللہ اسرارھم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکر جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی مجالس کرائی ہیں۔[2]

حاصل

کیوں کہ اہل بدعت نے سُنّی حنفی کہلا کر اپنی بدعات کو بریلوی بن

---

[1] براہین قاطعہ ص ۲۵۴۔ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۶۶۔
[2] روئیداد ۲۰۰۸ء۔ ص ۶۰۔

کر پھیلایا۔ حضرت کے اس فرمان سے بھی مقصد سمجھانا تھا کہ ان اکابر نے مروجہ مجالس قائم نہیں کیں۔ جس سے ہم مروجہ بدعات سے اور اہل بدعت سے بچ گئے۔ جن علماء اور مشائخ نے اس طرف خیال نہیں کیا۔ آج اہل سنت والجماعت احناف کی اکثریت بدعات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔ اور بڑے بڑے مراکز آج بدعات کے گڑھ بن چکے ہیں۔ لیکن ہمارے اکابر بدعات سے بچتے رہے۔ جیسا کہ ایک واقعہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کی کا شرعی حکم میں حضرت مولانا انجم الحسن صاحب تھانوی زید مجدھم مہتمم مدرسہ امداد العلوم، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یو۔ پی انڈیا نے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

والد صاحب (مولانا ظہور الحسن کسولوی صاحبؒ) سے کئی مرتبہ سنا کہ جس وقت حضرت گنگوہی پہلی مرتبہ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ مزار سے متصل کچھ اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ احاطہ سے باہر رک گئے اور دریافت فرمایا کہ یہ اینٹیں کیسی رکھی ہوئی ہیں؟ لوگوں نے بتایا ان کو فاتحہ پڑھنے والوں کی راحت و سہولت کے لیے مزار سے متصل بچھادیں گے۔ فوراً تغیر ہو گیا اور فرمایا کہ جب تک ایک ایک اینٹ احاطہ سے باہر نہیں ہو جائے گی، میں اندر

نہیں آؤں گا۔[1]

چناں چہ چند لمحوں میں خدام نے اینٹیں احاطہ سے باہر کر دیں۔ تب حضرتؒ اندر تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ بھائی یہ جو کلیر اور اجمیر میں تم دیکھ رہے ہو، یہ سب ایک دم سے ایسا نہیں ہو گیا۔ اس کی ابتداء اسی طرح ہوئی ہے۔ آج اینٹیں بچھائیں گے، کل چاردیواری ہو گی، پھر قبہ بنے گا، چادریں چڑھیں گی۔ بدعات اسی طرح شروع ہوتی ہیں۔

خود حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی خانقاہ کو جانشینی کی رسم سے پاک کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جگہ کو اصل نہ بنایا جائے گا۔...... الخ[2]

حضرت علی المرتضیٰ کا قول ہے:

اَمَّا اَهلُ السُّنة الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِمَا سَنَّهُ اللهِ لَهُمْ وَ رَسُوْلُهُ وَاِنْ قَلُّوْا وَ اَمَّا اَهْلُ الْبِدْعَةِ فَالْمُخَالِفُوْن لِاَمْرِ اللهِ وَلِكِتَابِهٖ وَرَسُوْلِهٖ

[1] مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے سہ روزہ صد سالہ اجلاس میں بندہ کو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے ہمراہ دیوبند حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ کہ آج بھی قبرستان قاسمی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قبر بالکل کچی ہے۔ اور حضرت نانوتویؒ کے قدموں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی قبر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی قبر بالکل کچی اور سادہ تھی۔ اور دوسرے اکابر دارالعلوم دیوبند کی قبریں بھی سب کی سب کچی تھیں اور عام قبرستان میں تھیں۔ اللہ ان سب اکابر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں، جن کی تعلیمات سے ہم اہل بدعت سے بچ گئے۔

[2] اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔ ص ۱۸۴۔

الْعَامِلُوْنَ بِرَايِهِمْ وَ اَهْوَائِهِمْ وَ اِنْ كَثُرُو وَقَدْ مَضٰى مِنْهُمُ الْفَوجُ الْاَوَّلُ وَبَقِيَت اَفْوَاجًا۔[1]

اہل سنت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے پر چلتے ہیں، گو کہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہوں، اپنی رائے اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہوں، گو کہ ان کی تعداد زیادہ کیوں نہ ہو۔ ان کی پہلی فوج گزر چکی اور فوجیں ابھی باقی ہیں۔

(۲) عَمَلٌ قَلِيْلٌ فِي سُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ عَمَلٍ كَثِيْرٍ فِى بِدْعَةٍ۔ (حدیث)

سنت کا کوئی معمولی سا عمل بدعت کے بہت سے زیادہ عمل سے بدرجہا بہتر ہے۔ (کنز العمال حدیث ۱۰۹۶)

(۳) مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ۔ (حدیث)

کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی، مگر اس کے مثل سنت ان سے اٹھالی گئی۔ (مسند احمد۔ کنز العمال ج ۱، حدیث ۱۰۹۸)

(۴) مَا مِنْ اَحَدٍ يُحْدِثُ فِى هٰذِهِ الْاُمَّةِ حَدَثًا لَمْ يَكُنْ فَيَمُوْتَ حَتّٰى يُصِيْبَهُ ذٰلِكَ۔ (طبرانی، کنز العمال ۱۰۹۹۹)

ترجمہ: جو شخص اس امت میں کوئی نئی چیز جاری کرے گا، جس کا

[1] مسند رکیع بن جراح، کنز العمال۔ ج ۱۶۔ حدیث ۴۴۲۰۹۔

حافظ عبدالوحید الحنفی

پہلے سے وجود نہ تھا تو اس کا دائمی گناہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس تک پہنچتا رہے گا۔

(۵) مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (حدیث)

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی بات پیدا کی جو اس میں داخل نہیں تو بلاشبہ مردود ہے۔ (کنزالعمال ج۱، حدیث ۱۱۰۱)

اس سلسلہ میں بندہ کے ایک رسالہ "اہل سنت والجماعت کی وجہ تسمیہ، اہل سنت کون؟ اور اہل بدعت کون؟" کو ملاحظہ فرمائیں۔

پس بندہ کی تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت تک سنت پر قائم و دائم رکھے اور بدعات سے اور اہل بدعت سے دور رکھے۔ (آمین)

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

(۳) آپ کے غلط استدلال کیا ہیں

(۱) حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ نثار احمد الحسینی صاحب نے حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر سے جو استدلال کیا ہے۔ ایک تو وہ غلط ہے۔ اس کا جواب قاضی صاحبؒ نے آگے دیا ہے:

(۱) فعل مشائخ حجت نہ باشد

(۲) بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں جو قابلِ اتباع نہیں ہوتے۔ الخ ......

حضرت قاضی صاحبؒ تو یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ ان کی مجالس ذکر

سے استدلال مناسب نہیں۔ کیوں کہ وہ اس کو فرض، واجب، سنت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن آپ یہ ماننے کے بجائے بیس صورتیں اخذ کر کے جواز کی صورت نکالنے کے لیے پھر استدلال کر رہے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے لکھا ہے:

(۱) مجالس ذکر طریقہ قادریہ راشدیہ پر ہوتی تھیں۔

الجواب: آپ نے یہ نہیں لکھا کہ طریقہ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے مجالس ذکر کی مروجہ صورت کہاں لکھی ہے کہ اس طرح کیا کریں کہ یہ سنت طریقہ ہے؟

(۲) مجالس ذکر میں ذکر بالجہر ہوتا تھا

الجواب: آپ نے نہیں لکھا کہ ذکر بالجہر فرض، واجب، سنت، مستحب کس حیثیت سے ہوتا تھا۔

(۳) مجلسِ ذکر سے پہلے رئیس الطائفہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو باقاعدہ ان کا نام لے کر ایصالِ ثواب کیا جاتا تھا۔

الجواب: کیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے اور ضروری ہے؟ ایصال ثواب تو کسی بھی وقت کر سکتے ہیں۔ بات اس موقع پر ایصال ثواب کی شرعی حیثیت کیا ہے کہ وہ کیا سمجھ کر ایسا کرتے تھے؟ کیا اس موقع پر ایصالِ ثواب فرض، واجب یا سنت سمجھ کر کرتے تھے؟

عبدالوحید الحنفی

بعض صوفیاء کے مجالس ذکر قائم کرنے کی بحث

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

جہاں تک سوال میں بعض صوفیائے کرام کی طرف سے مجالس ذکر قائم کرنے کی نسبت کا تعلق ہے (جیسا کہ سوال کے ساتھ منسلک رسالہ میں بعض حوالے مذکور ہیں) تو اس سلسلہ میں سمجھ لینا چاہیے کہ اولاً تو اہلِ حق محقق صوفیاء سے آج کل کی طرح کی ان مروجہ مجالسِ ذکر کا جواز و ثبوت نہیں۔ (خالی ذکر بالجہر اور بغیر تداعی کے اپنا اپنا ذکر کرنے کا معاملہ الگ ہے)

اور اگر کسی سے مجالس ذکر کا ثبوت بھی مل جائے تو ان مجالس ذکر کی حالت آج کل کی طرح کی عام مروجہ مجالسِ ذکر سے بالکل مختلف تھی۔

ان میں نہ تداعی اور اس طرح کی کوئی دوسری غیر شرعی قید تھی، نہ ان کے عبادت مقصودہ ہونے کا عقیدہ تھا، اور نہ ہی دوسرے مروجہ منکرات و مفاسد کا وجود تھا۔ جیسا کہ آج کل کی رائج شدہ دوسری بے شمار مسلّمہ بدعات کی حالت ہے کہ ابتداء میں ان کی یہ حالت نہ تھی۔

مگر اب جبکہ مجالس ذکر کا یہ سلسلہ عام ہو گیا ہے اور ان میں کئی مفاسد و خرابیاں شامل ہو گئی ہیں۔ بلکہ عموماً اور اکثر و بیشتر اہل

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

بدعت کا تقریباً شعار بن گئی ہیں۔ تو وہ خواص اور مقتداء حضرات جو کہ نیک نیتی اور تھوڑے بہت عملی یا اعتقادی فرق کے ساتھ مجالس ذکر منعقد کرتے ہیں ان کو بھی ان سے پرہیز کرنا لازم ہو گا۔ کیوں کہ جو طریقہ خود غیر مشروع ہو اور مزید براں اس سے اہل باطل کو تقویت پہنچتی ہو اور ان کے عمل کی تائید ہوتی ہو یا ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہو یا خالی الذہن عوام کے عقیدہ و عمل کے فساد کا باعث بنتا ہو اس کام سے خواص اور مقتداء حضرات کو بھی بچنا لازم ہو جاتا ہے۔

چناں چہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں، جو کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا محدث مدنیؒ کے مرشد ہیں:

"مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے۔ اور جس دوام فعل خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو وہ امر خواص کو اعلان و دوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ سبب مذموم کا مذموم ہے۔"[1]

"پس ظاہر ہو گیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔"[2]

---

[1] براہین قاطعہ ص ۲۴۹۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

[2] براہین قاطعہ ص ۲۵۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۱۴۶۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

مزید آپ نے لکھا ہے:

(۴) مجالسِ ذکر جہری مسجد میں ہوتی تھیں۔

الجواب: کیا یہ سنت کے مطابق ضروری ہے۔ اجتماعی ذکر جہر بریلوی حضرات بھی ہر نماز کے بعد بلند آواز سے مساجد میں زور زور سے کرتے ہیں۔ اور پھر نہ کرنے والوں کی طرف بھی نظر رکھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو وہابی، بے ادب، منکر ذکر، خدا جانے کیا سے کیا القاب بھی دیتے ہیں۔ اور جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد تو کھڑے ہو کر دائرہ بنا کر زور شور سے جہر سے ذکر اللہ اور درود و سلام ترنم سے پڑھتے ہیں۔ کیا یہ سب صورتیں اہل بدعت کے ذکر جہر کی اور اہل بدعت کی مجالسِ ذکر کی جائز ہیں؟ یا سنت ہیں؟ ہر گز نہیں۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

آپ نے لکھا ہے:

(۵) مجلسِ ذکر میں مختلف اذکار مرحلہ وار کیے جاتے تھے۔

الجواب: کیا یہ سنت کے مطابق طریقہ ضروری ہے۔ بریلوی حضرات بھی اپنے مشائخ کے طریقہ پر اس طرح ذکر جہر ہر نماز کے بعد مساجد میں کرتے ہیں۔ کیا ان کا طریقہ سنت کے مطابق ہے؟ ہر گز نہیں۔

حضرت لاہوریؒ تو خود فرما گئے ہیں کہ ہماری مجالس نہ فرض ہیں، نہ

واجب ہیں، نہ سنت ہیں۔ آپ نے لکھا ہے:

(۶) مجلس ذکر میں مختلف اذکار کی راہنمائی حضرت لاہوریؒ خود فرماتے تھے۔ یعنی ایک مرحلہ ختم ہوا، دوسرا شروع کرانا آپ پر موقوف تھا۔ ذاکرین خود ذکر کا مرحلہ تبدیل نہ کرتے تھے۔

(الف) الجواب: کیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ضروری ہے؟ کیا ایسا ہی عہد نبوی ﷺ اور عہد اصحاب رسول ﷺ میں ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات صحیحہ سے کیا اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یا اس کو بدعت قرار دیا گیا ہے؟ حضرت لاہوری تو خود فرما گئے ہیں کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔ دیکھیے بروایت حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ[1]

(ب) ہمارے ہاں سنی بریلوی مسلک کی مساجد میں ہر نماز کے بعد امام ذکر جہر مرحلہ وار کراتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو سنی حنفی کہلاتے ہیں۔ پہلے کلمہ امام پڑھتا ہے اس کے ساتھ ترنم سے ذکر جہر اجتماعی سب مقتدی کلمہ کا ورد کرتے ہیں۔ پھر امام پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے پھر مقتدی سب ترنم سے اجتماعی صورت میں صلوٰۃ و سلام جہر سے مل کر پڑھتے ہیں۔ کیا یہ اجتماعی مجالس ذکر سنت ہیں یا بدعت ہیں؟

---

1 مجلس ذکر۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

(ج) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

جواب یہ ہے کہ اول تو اس وقت بھی بعض علماء نے ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا اور قطع نظر اس سے یہ کہ ان کے زمانے میں مفاسدِ مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے اثبات کیا، اب مفاسد پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ حضرات بھی اگر اس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ فرماتے، اس لیے اب نفی کی جاتی ہے۔[1]

(د) "جس امر میں کراہت عارضی ہو، اختلاف از منہ و امکنہ و اختلاف تجربہ و مشاہدۂ اہل فتویٰ سے اس کا مختلف حکم ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جاوے، اس وقت اس میں وجوہ کراہت کی پیدا ہو گئی یا ایک مقام پر اجازت دی جاوے، دوسرے ملک میں منع کر دیا جاوے۔ اس فرق مذکور کے سبب یا ایک وقت اور موقعہ پر مفتی جائز کہے اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کر دی ہے۔

دوسرا مفتی ناجائز کہے کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے تو واقع میں یہ اختلاف ظاہری ہے، حقیقی نہیں۔ اور تعارض صوری ہے، معنوی نہیں۔ حدیث اور فقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں۔ دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے

[1] اصلاح الرسوم تیسرا باب پہلی فصل ص ۱۱۹۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

عورتوں کو مساجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا۔ اور صحابہؓ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی۔" (اصلاح الرسوم ص ۵۶، ۵۷۔باب سوم قاعدہ چہارم)

(ہ) یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالسِ منکرہ بکثرت ہوتی ہیں اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار اور ترک ہے۔ جب کہ عندالشرع فی نفسہٖ ضروری نہ ہو۔(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳۰)

(و) اور اگر کسی محتاط نے احتیاط بھی کی تب بھی اس کی یہ مجلس سبب ہو گی۔ عوام کی بے احتیاطی کی مجالس کی اور فی نفسہٖ وہ مجلس ضروری نہیں اور جو فعل غیر ضروری خواص کا سبب ہو جائے مفسدۂ عوام کا اس سے منع کیا جانا قاعدۂ فقہیہ ہے۔ بخلاف مجلس وعظ کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری ہے۔ وہاں مفاسد کا انسداد کریں گے۔ خواہ اس کو ترک نہ کریں گے۔ فافترقا۔[1]

آپ نے لکھا ہے:

(ز) حضرت لاہوریؒ ذکر اللہ کے مختلف مراحل کو باقاعدہ شمار کرتے تھے۔

الجواب: کیا یہ طریقہ فرض، واجب یا سنت ہے؟ یا تربیت کے طور پر تھا؟ جس طرح مساجد میں بچوں کو سبق یاد کرانے کے لیے بلند

[1] امداد الفتاوٰی ج ۵ ص ۳۱۶۔ واجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۱۴۸۔

آواز سے کہلواتے ہیں، وہاں مقصد تعلیم ہوتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

(۸) حضرت لاہوریؒ ذکر اللہ کے مراحل کے شمار کے لیے باقاعدہ تسبیح استعمال فرماتے تھے۔

الجواب: کیا یہ فرض، واجب، سنت یا مستحب ہے؟ یا تربیت کے طور پر تھا؟ تاکہ تربیت کے بعد سالکین اپنی اپنی جگہ مسنون تسبیحات کرنے کی سنت پر عمل کریں۔

آپ نے لکھا ہے:

(۹) مجلسِ ذکر کے اذکار میں اخر میں "ھُو" کا ذکر بھی اسی طرح جہر سے ہوتا تھا۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

الجواب: کیا یہ ضروری ہے یا تربیت کے طور پر تھا؟

یہ بطور تربیت کے تھا کہ انفرادی طور پر ایسا ذکر اپنی اپنی جگہ تنہائی میں کر سکتے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے:

(۱۰) مجلسِ ذکر کے بعد باقاعدہ اجتماعی مراقبہ ہوتا تھا۔

کیا یہ فرض، واجب، سنت ہے یا تربیت کے لیے ایک سبق کے طور پر تھا کہ تنہائی میں مراقبہ کر لیا جائے۔

آپ نے لکھا ہے:

(۱۱) مجلسِ ذکر کے دوران روشنی بند کر کے اندھیرا کر دیا جاتا۔

الجواب: کیا یہ فرض، واجب یا سنت ہے یا تربیت کے لیے تھا؟ یہ مستحب عمل ہے کہ ذکر کے دوران پوری توجہ اور خیال رہے۔

آپ نے لکھا ہے:

(۱۲) حضرت لاہوریؒ مجلسِ ذکر کے لیے باقاعدہ دعوت دیتے تھے یعنی یہ مجالسِ ذکر تداعی کے ساتھ ہوتی تھیں۔

الجواب: کیا یہ فرض، واجب یا سنت ہے؟ جبکہ حضرت لاہوری خود فرماتے ہیں کہ: یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔[1]

حافظ عبدالوحید حنفی خادم اہلسنت

(ب) جب کہ حضرت لاہوری خود فرماگئے ہیں کہ مجلس ذکر نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔[2]

(ج) حضرت لاہوریؒ کے فرمان کے مطابق حضرت لاہوری کی مجالس ذکر کی جو جو کیفیت آپ نمبروار بیان کر رہے ہیں وہ نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے۔ نہ حضرت لاہوریؒ اس کو لازم قرار دیتے تھے۔ اگر کوئی شریک نہ ہو تو ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے۔

آپ کے نزدیک پھر یہ کیا ہے؟ یہ آپ خود بتائیں، اس کے مطابق

---

[1] خدام الدین ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء

[2] مجلس ذکر۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

فقہا سے پوچھیں گے۔

(د) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

جب خواص زبان سے تو کہیں کہ مؤکد نہیں، مگر عمل در آمد اس التزام سے کریں کہ ترک اس کا مثل سنت مؤکدہ کے زبوں جانیں تو عوام کو زبانی کہنا کیا نافع ہو گا؟ اور تحریری فتاوٰی اور طبع اس کا عوام کو کیا مفید ہے؟ کہ نہ پڑھ سکیں اور نہ سمجھیں اور نہ ان کو ان امور کا خیال اور نہ تحقیق کی فکر کہ رسائل خرید کر پڑھیں۔ سو یہ اشتہار طبع کسی قدر عذر غیر معقول المعنیٰ ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۲۵۰)

(ہ) قاعدہ یہ ٹھہرا کہ جس مباح سے اور جس مستحب سے عوام کسی دین کی خرابی میں پڑ جائیں وہ فعل خواص کے لیے بھی جائز نہیں رہتا۔ حالاں کہ وہ (خواص) خود اس خرابی سے بچے ہوئے ہیں۔ ایسے موقعہ پر خواص کو لازم ہے کہ وہ خود بھی ایسے فعلِ مباح کو بلکہ ایسے فعلِ مستحب کو بھی چھوڑ دیں جس سے عوام کی خرابی کا اندیشہ ہو۔ حقیقت میں یہ قاعدہ وہ پہلا ہی قاعدہ ہے کہ مصلحت اور مفسدہ جب جمع ہوتے ہیں، مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے کیوں کہ دوسرے شخص کا خرابی میں پڑ جانا یہ بھی مفسدہ ہے۔ اگر لازم نہیں تو متعدی سہی۔[1]

[1] خطبات حکیم الامت ج ۵، مواعظ میلاد النبی ص ۵۹۳، وعظ الطلیب فی عقد الحبیب مطبوعہ المکتبۃ

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

(و)اس کی حقیقت کو فقہاء نے خوب سمجھا ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ التزام چاہے اعتقادی ہو یا عملی، دونوں کے لیے اذن کی ضرورت ہے۔ یعنی جس چیز کو شریعت نے لازم نہیں کیا اس کا التزام جائز نہیں۔ نہ اعتقاد نہ عملاً اور التزام اعتقادی کا ناجائز ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن ظاہراً صحتِ اعتقاد کے ساتھ عملی التزام میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔

اس کو فقہاء کیوں منع کرتے ہیں؟ سو واقعی فقہاء حکماء ہیں۔ اسرار شریعت کو خوب سمجھتے ہیں بات یہ ہے کہ التزام عملی سے رفتہ رفتہ اعتقاد پر بھی اثر ہونے لگتا ہے۔ خصوصاً عام لوگوں کے اعتقاد پر اور اگر بالفرض نہ بھی ہو تو اس میں صورتاً شریعت کے ساتھ معارضہ ہے۔ جیسا کہ التزام اعتقادی میں حقیقتاً معارضہ ہے، اس لیے دونوں قسم کے التزام سے منع فرماتے ہیں۔ لیکن اس سے دوام کی ممانعت نہ سمجھی جائے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۵ ص ۵)

آپ نے لکھا ہے:

(۱۳) حضرت لاہوریؒ کے ہاں یہ مجلسِ ذکر دن اور رات کے تعین کے ساتھ ہر جمعرات کو بعد از مغرب ہوتی تھیں۔

الجواب: اس کا بھی جواب یہی ہے کہ حضرت لاہوری خود فرما گئے

الاشرفیہ لاہور۔ سن اشاعت ۱۹۹۲ء۔

ہیں کہ یہ مجلس ذکر نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے۔ جس طرح حضرت لاہوری نے فرمایا ہے ہم نے اس مجلس ذکر کو اسی طرح سمجھنا ہے۔ اور جو تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر مروجہ طریقہ پر لاؤڈ اسپیکروں پر کرتے ہیں، ان کو بریلویوں کی طرح مشابہت کی وجہ سے اہل بدعت میں شمار کرنا ہے۔ جب تک کہ وہ تداعی کا مروجہ سلسلہ ختم نہ کردیں اور مروجہ طریقہ پر اجتماعی ذکر مجالس ذکر کا انعقاد ترک نہ کردیں۔ کیوں کہ اس طرح نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے، نہ حضرت لاہوری اس کو کسی شخص پر لازم قرار دیتے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین لکھتے ہیں:

حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ ایک ہی بات فرمارہے ہیں کہ علمی اور فقہی مسائل میں فقہاء کی اتباع کی جائے گی نہ کہ ان اولیاء اللہ کی جو فقیہ نہیں۔ (تحقیقی نظر ص۱۹۸۔ مطبوعہ لاہور)

(۳) حضرت مولانا علامہ سرفراز خانؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرات صوفیاء کرام کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی۔ مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے یا تعلیم کی خاطر ہو۔ اور اگر تاویل نہ ہوسکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کردیا

جائے گا۔ نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرات ائمہ فقہاء اور خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔[1]

علماء و صوفیاء میں کس کا قول راجح ہے؟

(الف) مفتی محمد رضوان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے اور کسی طرح سے بعض بزرگوں سے مروجہ مجالس ذکر کے بعض یا کل اجزاء ثابت بھی کر دے، تب بھی یہ اصول اور قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر بالفرض صوفیائے کرام سے کسی ایسی چیز کا وجود ثابت ہو بھی جائے جو فقہائے کرام اور محقق علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہو تب بھی فقہاء و علماء کے مؤقف کو صوفیائے کرام کے مؤقف اور عمل پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اور سلف و خلف فقہائے کرام سے مروّجہ مجالس ذکر کا ناجائز ہونا تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔[2]

(ب) چناں چہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

---

1 حکم الذکر بالجہر ص ۹۸۔ باب دہم، طباعت سوم۔ ۱۴۱۷ھ۔

2 اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔ ص ۱۵۲۔

اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلافِ شرع کے فرمادے گا تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہو گا۔ بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہو گا۔ کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے، اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے۔[1]

(ج) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

صوفیاء کہتے ہیں کہ فعل مستحب کو کسی حال میں ترک نہ کیا جائے اور منکرات کی اصلاح کی جائے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ بعض احوال میں منکرات کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود بھی اس کو ترک نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ شیوخ منکرات کے وقت وہ اس مستحب ہی کے ترک کا امر کرتے ہیں جس کے ساتھ منکرات کا انضمام ہوا ہے۔ اور اس بارے میں رائے علماء کی مانی جائے گی۔ کیوں کہ صوفیاء تو اہلِ شوق ہیں۔ ان کو دوسروں کے انتظام کی پرواہ نہیں۔[2]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

(د) دوسری جگہ سورۃ توبہ کی آیت ۳۱ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

اس میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے، جیسا جاہلوں کی عادت ہے کہ جب رسوم منکرہ سے منع کیا جائے تو اپنے

---

1 تذکرۃ الرشید ج ۱، ص ۱۴۲۔

2 خطبات حکیم الامت ج ۵ ص ۱۸۵۔ مواعظ میلاد النبی وعظ نور النور کذا فی الشرف الجواب ص ۱۶۹۔ ناشر مکتبۃ الحسن لاہور۔

مشائخ سے تمسک کرتے ہیں۔[1] آپ لکھتے ہیں:

(۱۴) اس مجلسِ ذکر میں صرف حضرت لاہوریؒ کے متوسلین ہی شریک نہ ہوتے تھے، بلکہ دوسرے حضرات بھی شریک ہوتے تھے۔

الجواب: حضرت لاہوریؒ کے فرمان کے مطابق اس عمل کو بھی فرض، واجب، سنت نہیں سمجھنا۔ تربیت کے لیے وعظ و نصیحت سننے کے لیے درس قرآن و حدیث سننے سنانے کے لیے آنے جانے کو کسی نے بھی منع نہیں کیا۔ اور اس کو نہ ہی فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب قرار دیا ہے۔

(۲) خود حضرت لاہوریؒ کے نزدیک یہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے۔ (خدام الدین۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

(۳) حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب فرماتے ہیں:

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اجتماعی ذکر خواہ سری ہو یا جہری اصل اعتبار سے بدعت و مکروہ ہے اور اس کے جواز کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے عدم جواز پر نص موجود ہے تو اس سے بعض حضرات کا یہ توہم دور ہو جانا چاہیے کہ ہم یہ مجالس فرض وواجب یا سنت سمجھ کر نہیں کرتے۔ کیوں کہ پھر وہ اس کو مستحب

[1] مسائل السلوک من کلام ملک الملوک یعنی مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں ص ۲۲۷۔ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور۔ واجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۱۵۳۔

یا مباح تو ضرور خیال کریں گے۔ حالاں کہ مستحب و مباح تو وہ ہوتا ہے جس کے جواز پر شرعی دلیل موجود ہو اور یہ بھی کچھ محتاط قسم کے لوگوں کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ تو جیسا کہ علامہ ابن الحاجؒ نے تصریح کی ہے عام لوگ اس کو سنت ہی اعتقاد کرتے ہیں۔ بایں معنیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے یا صحابہؓ کا طریقہ ہے (بلکہ اب تو خواص بھی اس کو سنت و مستحب اور صحابہؓ کا طریقہ سمجھتے ہیں، اس لیے تو وہ اپنے مروجہ عمل پر احادیث و روایات اور حضور ﷺ کے عمل کو پیش کرتے اور ان مجالس کے مستحب و مسنون ہونے پر دلائل قائم کرتے ہیں۔)

تو اس میں کتنا بڑا مفسدہ ہے کہ ایک امرِ مکروہ اور بدعت کو سنت اعتقاد کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ کسی مباح یا سنتِ زائدہ کو سنتِ مقصودہ اعتقاد کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس مباح اور سنتِ زائدہ کو علی الوجوب ترک کر دیا جائے۔ تو مکروہ و بدعت میں ایسا اعتقاد تو بطریقِ اولیٰ ترک کا موجب ہو گا۔[1]

(۴) شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

اور صوفیاء کا عمل حلال و حرام ہونے میں سند نہیں ہے۔ کیا یہی کافی

---

1 فقہی مضامین باب ۱۰ ص ۱۴۰۔ مطبوعہ نشریات اسلام کراچی۔ مروجہ مجالسِ ذکر و درود کی شرعی حیثیت ص ۲۰، ۲۱۔

نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ (جیسے فقہاء) کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ اور حضرت ابو الحسن نوریؒ (جیسے صوفیاء) کا عمل۔ اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے۔

اولٰئک الَّذین اتَّخذُوا دِینھُم لَھوًا وَّ لَعِبًا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے۔[1]

(۵) علامہ سرفراز خان صفدرؒ لکھتے ہیں:

لٰہذا ہم تو بحمد للہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس بہترین اور سنہرے مشورے اور نصیحت پر عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور حضرات صوفیاء کرام پر طعن سے بچتے ہوئے عدم ذکر بالجہر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ و ارشاد کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں۔ یار لوگ اپنے لیے جس رائے کو بہتر سمجھتے ہیں، اختیار کریں۔[2]

آپ نے لکھا ہے:

---

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی۔ ج ا مکتوب ۲۲۔

[2] حکم الذکر بالجہر ص ۲۰۷

(۱۵) حضرت لاہوریؒ اس مجلسِ ذکر میں اپنے متوسلین کے علاوہ حضرات کی شرکت پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

الجواب: خود حضرت لاہوری کے نزدیک یہ نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے۔ (خدام الدین ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

آپ کے نزدیک یہ کیا ہے؟ ہم حضرت لاہوری کے عمل کو کیا شمار کریں گے؟ اور مروجہ مجالس ذکر بالجہر جو بریلوی حضرات کراتے ہیں، وہ آپ کے نزدیک بدعت ہیں یا مستحب ہیں؟

آپ نے لکھا ہے:

(۱۶) حضرت لاہوریؒ اس مجلسِ ذکر میں اپنے متوسلین کے علاوہ حضرات کو باقاعدہ شرکت کی دعوت دیتے تھے۔

الجواب: خود حضرت لاہوری کے نزدیک یہ نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے۔ (خدام الدین لاہور ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

اب آپ کی مروجہ مجالس ذکر بالجہر میں شرکت کس حیثیت سے ہوتی ہے؟

آپ نے لکھا ہے:

(۱۷) حضرت لاہوریؒ کے دونوں شیوخ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے ہاں یہ مجالسِ ذکر روزانہ بعد از نماز مغرب ہوتی تھیں۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

الجواب: خود حضرت لاہوری کے نزدیک یہ مجالس ذکر نہ فرض ہیں، نہ واجب، نہ سنت۔ (خدام الدین لاہور ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء)

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں:

جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترکِ سنت فعلِ بدعت سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق ج ۲، ص ۲۱)

اور ردالمختار ج ۱، ص ۶۴۲ میں ہے

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَ بِدْعَۃٍ کَانَ تَرْکُ السُّنَّۃِ راجحاً علٰی فِعْلِ الْبِدْعَۃِ۔

ترجمہ: جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت ہے، تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کے راجح ہے۔

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم ج ۱، ص ۱۲۰)

(۳) ہمارے ملک میں بریلوی حضرات جو اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت اور حنفی کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ابتدا میں نمازوں کے بعد ذکر جہر اور جلسوں کے بعد کھڑے ہو کر درود و سلام بلند آواز سے اجتماعی شکل میں شروع مستحب اور مباح سمجھ کر ہی کیا۔ لیکن اب جب اس کا رواجِ عام ہو گیا تو اب وہ سنت سے کم نہیں سمجھتے، اس

لیے نمازوں کے بعد اجتماعی شکل میں ذکر جہر نہ کرنے والوں اور جلسوں اور جمعہ کے اجتماعات میں نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر درود و سلام جہر سے نہ پڑھنے والوں کو سنی ہی نہیں سمجھتے بلکہ جو یہ عمل کرے، اس کو ہی وہ اہل سنت والجماعت سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دیوبندی مکاتب فکر کے بعض مشائخ اور درویشوں نے بھی ابتدائی طور پر یہ عمل بریلوی حضرات کے دیکھا دیکھی مستحب اور مباح سمجھ کر ہی شروع کیا لیکن اب جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ اجتماعی ذکر کی مجالس نہ فرض ہیں، نہ واجب ہیں، نہ سنت ہیں۔ تو احادیث سے اور اقوال صوفیاء سے بظاہر تو مستحب اور مباح ثابت کرتے ہیں لیکن عملاً جو یہ عمل نہ کرے اس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور اپنا مخالف سمجھتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے اس کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کو اپنا ہم خیال سمجھتے ہیں۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

آپ نے لکھا ہے:

(۱۸) حضرت لاہوریؒ کے خلفاء نے بھی باقاعدہ مجالسِ ذکر کا اہتمام رکھا۔

الجواب: خود حضرت لاہوری کے نزدیک بقول حضرت مولانا

خادم اہلسنت عبدالوحید الحنفی

عبیداللہ انورؒ، یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔[1]

(۲) اور بقول مولانا عبیداللہ انور جو کہ حضرت لاہوری کے فرزند تھے اور ان کے جانشین تھے: حضرت لاہوریؒ نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی ...... مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض، واجب یا سنت نہ سمجھنے لگ جائیں۔ ...... الخ

آپ نے لکھا ہے:

(۱۹) حضرت لاہوریؒ مجلسِ ذکر کو قرآن و سنت کے بیان کردہ طریقہ ذکر کے مطابق سمجھتے تھے۔

الجواب: حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کے بیان کے مطابق حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے، اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔[2]

اب آپ خود بتائیں کہ مروجہ مجالس ذکر جو بریلوی حضرات کراتے ہیں ان میں اور جو مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی کراتے ہیں ان میں اور جو آپ کے متوسلین کراتے ہیں ان میں کیا فرق ہے؟ پھر اس کے مطابق یہ مجالس ذکر مستحب ہوں گی یا بدعت ہوں

---

1 ہفت روزہ خدام الدین۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء۔
2 مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

خادم اہل سنت حافظ عبدالوحید الحنفی

گی۔ مباح ہوں گی یا مکروہ ہوں گی۔ اپنے اپنے درجہ میں ہر مکتبہ فکر کے علماء اور صوفیاء اس کی درجہ بندی کر کے اپنے سالکین کا ایک ذہن بناتے ہیں۔ پھر جو ایسا نہ کرے اس کو تو اہل سنت ہی سے جدا ایک فرقہ شمار کرتے ہیں۔ اب اہل سنت کون ہے؟ اور اہل بدعت کون ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

ہر مبتدع یعنی بدعتی اور ضال یعنی گمراہ کتاب و سنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنے ناقص فہم کے موافق اسی سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا۔

(اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے۔)

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہل حق کے معانی مفہومہ معتبر ہے۔ اور ان کے خلاف معتبر نہیں ہے۔ وہ اس سبب سے کہا ہے کہ انہوں نے ان معانی کو آثار صحابہ و سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تتبع و اتباع سے اخذ کیا ہے اور ان کے نجوم ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے۔ اسی واسطے نجات ابدی انہی پر مخصوص ہے اور فلاح سرمدی انہی کے نصیب ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

عبدالوحید الحنفی

(یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں، خبر دار یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ خلاصی پانے والا ہے)(مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب ۲۸۶)

(۲)حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:

جس طرح کتاب و سنت کے موافق اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے، اسی طرح ان کے موافق جیسے کہ علمائے مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط فرمایا ہے اور احکام حلال و حرام و فرض واجب و مستحب و مکروہ و مشتبہ ان سے نکالے ہیں۔ ان کا علم و فضل بھی ضروری ہے۔ مقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ اور عمل کرنے میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کا وہ تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے۔ اور رخصت سے اجتناب کر کے عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ہو سکے مجتہدین کے اقوال جمع کرنے میں کوشش کرے نہ کہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔[1]

آپ نے لکھا ہے:

(۲۰)حضرت لاہوریؒ اپنے ہاں مجلسِ ذکر کے اس طریقہ کی باقاعدہ سند حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ تک بیان فرماتے تھے۔

الجواب: حضرت لاہوریؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب ۲۸۶۔ ص ۵۹۷۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید

یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔ اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں۔

(۲) حضرت نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی۔ اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا تھا۔ حالاں کہ حضرت کا مزاج یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی حالت میں درسِ قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔[1]

اب آپ خود بتائیں کہ آپ کے نزدیک ان کا درجہ کیا ہے؟ جو آپ کے نزدیک ہو گا اور جس حیثیت سے آپ کے نزدیک اس کا درجہ ہو گا، اس کے مطابق مفتی حضرات سے پوچھ لیا جائے گا کہ اس حیثیت میں یہ مروجہ مجالس ذکر بدعت ہیں یا مستحب ہیں۔ بدعت حسنہ ہیں یا بدعت سیئہ مباح ہیں یا مکروہ ہیں؟

(۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

بر تقدیر تعارض ادلہ کراہت وادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راہت کہ رعایت احتیاط دران است چناں چہ مقرر اہلِ اصول فقہ است۔

ترجمہ: جب کراہت اور اباحت کی دلیلیں آپس میں متعارض ہوں

[1] ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

تو ترجیح کراہت کو ہو گی۔ کیوں کہ احتیاط کا پہلو اسی میں ملحوظ رہ سکتا ہے۔ چناں چہ اصولِ فقہ والوں کے یہاں یہ طے شدہ بات ہے۔[1]

خاتمہ کلام

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مذکورہ تمام تر تفصیل کے بعد ہماری بحث کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن و سنت اور فقہ کے دلائل و قواعد اور اکابر کی تصریحات کی روشنی میں مروجہ اجتماعی ذکر کی مجالس (جن میں ذکر کے لیے جمع ہونے کا اہتمام اور مخصوص ذکر کا التزام ہوتا ہے) جائز نہیں اور ان مجالس کے جواز کے متعلق جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ شرعی نقطۂ نظر سے مروجہ مجالس ذکر کے جواز کے لیے ناکافی ہیں۔ اور ہمارے فقہاء و اکابر نے ان دلائل کے شافی جواب بیان فرما دیے ہیں۔

اور بہر حال احتیاط و عافیت کا راستہ یہی ہے کہ ذکر اللہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اپنے طور پر قیودات سے بچ کر ذکر اللہ کی ترغیب دی جائے۔ اور ہدایت تو اللہ کے خاص فضل پر ہی موقوف ہے۔[2]

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی۔ دفتر اول مکتوب ۲۸۸۔

[2] اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۱۶۱۔ مؤلفہ مفتی محمد رضوان۔ مطبوعہ ادارہ غفران

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

ہر عاقل جان سکتا ہے، اگر کوئی جاہل قواعدِ شرعیہ سے اتنا ہی سمجھ لیوے کہ اس فعل کے بدعتِ سیئہ اور حسنہ ہونے میں خلاف ہو تو ترک ہی مناسب اور احوط ہے۔ کیوں کہ یہ فعل مندرب ہے، واجب تو نہیں، یہی کافی ہے۔ متدین کو تو مگر جس کے دل میں بدعت مشرب ہو اس کا کیا علاج؟ چہ جائیکہ یہاں ادلہ اربعہ سے اس مروج کی ضلالت ثابت ہو چکی، بہر حال اس ہیئت کذائیہ میں سے طریقہ صحابہؓ کا حسب ارشادان احادیث کے میزان ہے جس کا طریقہ اور قول و وضع صحابہؓ سے موافق ہے، وہی حق ہے۔[1]

اور صحابہ کرامؓ سے اس ہیئت کذائیہ کے ساتھ مجالسِ ذکر کا منعقد نہ ہونا بلکہ ان پر نکیر کا ہونا بتلایا جا چکا ہے۔[2]

مجالس ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ (المولود ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء، المتوفیٰ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء) فاضلِ دیوبند شاگرد رشید و خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ نے ایک مضمون

راولپنڈی۔

1 براہین قاطعہ ص ۱۷۱۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

2 اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم ص ۱۵۹۔ مؤلفہ مفتی محمد رضوان صاحب۔ مطبوعہ ادارہ غفران کوہاٹی بازار راولپنڈی۔

بعنوان ”ایک مرد حق پرست جو ہم سے جدا ہوا“ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی (المولود ٦ ستمبر ١٩٢٠ء مطابق ٢١ ذی الحجہ ١٣٣٨ھ، المتوفیٰ ٢٧ اپریل ١٩٩٨ء مطابق ٢٩ ذی الحجہ ١٤١٨ھ) کی حیات و خدمات پر تحریر فرمایا۔ جو کہ ماہنامہ حق چار یار حضرت جہلمی نمبر میں شمارہ جولائی تا نومبر ١٩٩٨ء ج ١١، ش ٧ تا ١١۔ میں شائع ہوا۔ جس میں ص ٧٥ تا ص ٨٠ مجلس ذکر کے عنوان سے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے تحریر فرمایا:

”مولانا جہلمیؒ مرحوم اپنے متوسلین کو ذکر و ظیفہ کی تلقین و تاکید تو فرماتے تھے لیکن ملک میں مروجہ مجالس ذکر کے طریق پر آپ نے کبھی مجلس ذکر نہیں کرائی۔ میں نے ان سے حضرت شیخ لاہوریؒ کی مجلس ذکر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے کہا کہ:

میں صرف ایک مرتبہ شیرانوالہ آپ کی ”مجلس ذکر“ میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرتؒ نے کبھی بھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ مجلس میں کیوں نہیں حاضر ہوتے۔ نہ مجاز بنانے کے بعد کبھی حضرت نے مجلس ذکر منعقد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور جہلم میں حضرت کئی دفعہ تشریف لائے ہیں لیکن وہاں کبھی بھی حضرت لاہوریؒ نے مجلس ذکر نہیں کرائی۔ (حق چار یار لاہور حضرت جہلمیؒ نمبر، ج ١١ ش ٧، جولائی ١٩٩٨ء)

(٢) اکابر اہل سنت دیوبند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب

گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس اسرارھم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکر جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی مجالس کرائی ہیں۔

(۳) اور اکابر نے جو انفرادی طور پر ذکر جہر کی اجازت دی ہے وہ بغرضِ علاج ہے، خود جہر مقصود نہیں ہے۔ بہر حال مروجہ مجالس ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں، ان کو ترک کرنا چاہیے۔

(۴) اور جو مروجہ مجالس ذکر کا حال ہے اگر یہ حضرت کی زندگی میں ہوتا تو آپ مجلس ذکر سے دوسروں کو بھی روک دیتے۔ کیوں کہ مفاسد کی وجہ سے امر مستحب کو بھی بدعت قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اب تو مجلس ذکر گویا پیری مریدی کے لیے لازم سمجھی جاتی ہے۔ چناں چہ رسائل میں شائع ہوتا ہے فلاں حضرت صاحب نے فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائی اور فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائیں گے۔"[1]

(۵) آپ نے اپنے پہلے خط میں بھی لکھا تھا کہ:

جو صاحب احقر کے مضمون پر کچھ کلام کرنا چاہتے ہیں، ماہنامہ الارشاد اٹک کی ایک کاپی اس عریضہ کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔

[1] ماہنامہ حق چار یار لاہور۔ ج ۱۱، ش ۷۔ جولائی ۱۹۹۸ء۔

مجلس اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

"مجالسِ ذکر اور ذکر بالجہر" پر احقر کے پیش کردہ مؤقف میں طائفہ منصورہ اہل السنّت و الجماعت علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال کی روشنی میں جو سقم ہے احقر بصد شکریہ اس کی اصلاح کرے گا۔...... الخ

مزید آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ:

(۲) گزارش ہے کہ میرے مضمون متعلقہ "الارشاد" اٹک میں جو غلط استدلال پیش کیے گئے اور حوالہ جات میں جو خیانت ہے وہ واضح کی جائے تاکہ احقر اپنی تحریر کی اصلاح کر سکے۔...... الخ

(۳) آپ کا مقالہ الحمدللہ کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب فاضلِ دارالعلوم دیوبند شاگرد و خلیفہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی نظر سے گزرا اور آپ نے جو اس پر تبصرہ کیا، جس کا خلاصہ آپ کی تحریر کے مطابق یہ ہے کہ:

اس مقالہ میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرّہٗ نے احقر کے ایک مضمون "مجالس ذکر ایک علمی اور تحقیقی جائزہ" از: ماہنامہ "الارشاد" اٹک۔ بابت رجب، شعبان ۱۴۱۸ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء ٹریکٹ نمبر ۶، ۷ پر گرفت فرماتے ہوئے "ذکر بالجہر" کو بدعت قرار دیا۔ (خط بنام راقم الحروف از نثار احمد الحسینی)

اس بارے میں دوسرے بزرگوں کے ارشادات اور تحقیق پر مبنی

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

دلائل آپ کے سوالات کے ساتھ ساتھ جواب میں عرض کر دیے ہیں۔

(٦) حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر کی بیس صورتیں پیش کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے:

اب آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ:

آپ کے نزدیک حضرت لاہوریؒ کے ہاں مجالسِ ذکر کا اہتمام جائز ہے یا ناجائز، بدعت ہے یا مستحب، باعث اجر و ثواب ہے یا لائق عذاب؟

الجواب: حضرت لاہوریؒ نے خود فرمایا ہے کہ یہ نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت۔ حضرت لاہوریؒ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے یہی ارشاد فرمایا ہے:

حضرت لاہوری فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں۔[1]

اس لیے بندہ کے نزدیک بھی یہ فرض، واجب یا سنت سمجھ کر نہیں منعقد کی جاتی تھیں۔ اور مستحب عمل کو جب تک فرض، واجب یا سنت کا درجہ نہ دیا جائے یا نہ سمجھا جائے، وہ لائق عذاب نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس کو ضروری سمجھا جانے لگے تو ترک کر دینا بہتر

1 مجلس ذکر ١٠ فروری ١٩٦٦ء۔ ہفت روزہ خدام الدین ١٠ جولائی ١٩٩٨ء

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہوتا ہے۔ تاکہ مستحب اور بدعت میں فرق ہوتا رہے۔ جیسا کہ حضرت لاہوریؒ نے ایک مرتبہ خود یہ ترک کر کے سمجھا دیا تھا، مولانا عبید اللہ انور صاحب فرماتے تھے:

"حضرت لاہوریؒ نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی...... مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔"[1]

آپ کے سوال ۲، ۳، ۴، ۵ کا بھی یہی جواب ہے کہ حضرت لاہوریؒ کے خلفاء بھی یہی سمجھتے تھے جو حضرت لاہوریؒ کی تعلیمات تھیں۔ کہ وہ بھی فرض یا واجب یا سنت نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے مجالس ذکر منعقد نہ کرنے والوں کو بھی وہ متبع سنت سمجھتے تھے۔ اب جبکہ اکثر اہل بدعت نے یہ اپنا شعار بنالیا ہے، اس لیے موقوف کرنا ہی بہتر ہے۔

اثر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور مجالس ذکر

آپ نے اپنے مقالہ میں جو ماہنامہ الارشاد میں شائع ہوا، لکھا ہے:

مجالس ذکر کے بارے میں عام طور پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے منسوب ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے چند

---

1 ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء۔

خادم اہلسنت عبد الوحید الحنفی

آدمیوں کو مسجد میں ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں بدعتی فرما کر مسجد سے نکال دیا کہ یہ جائز نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت محدثین، مفسرین اور فقہاء اہل سنت کے ہاں صحیح نہیں۔ اور اس کا ثبوت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نہیں ملتا۔[1]

اس روایت کا صحیح اور مستند ہونا

حالاں کہ "امام قاضی خان، امام بزاز، علامہ شامی اور علامہ حمودی رحمہم اللہ جیسے فقیہ حضرات، حضرت ابنِ مسعودؓ کی مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے: اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔ مؤلفہ مفتی محمد رضوان ص۱۹۔ بحوالہ فتاویٰ بزازیہ ج۳ ص۳۷۵۔ علیٰ ھامش الفتاویٰ الھندیۃ۔ ردالمختار ج۶ فصل فی البیع، غمز عیون البصائر ج۴۔ القول فی احکام المسجد)

لہٰذا بعض حضرات جو اس روایت کو غیر صحیح کہتے ہیں، یہ درست نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راہ سنت ص۱۲۸۔ مؤلفہ علامہ سرفراز خان مرحومؒ و رسائل الرشید ص۳۵۵، ۲۵۲۔ مطبوعہ

---

[1] مقالہ مجالس ذکر۔ ماہنامہ الارشاد۔ رجب، شعبان ۱۴۱۸ھ۔ نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء۔ ٹریکٹ نمبر ۶، ۷۔ مؤلفہ نثار احمد الحسینی

خادم اہلسنت عبد الوحید حنفی

مکتبہ حلیمیہ کراچی)[1]

اس روایت کی تحقیق جو مفتی محمد رضوان صاحب نے کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری وابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات سے ثبوت

(ا) امام دارمیؒ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں حکم بن مبارک نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یحییٰ بن عمرو سے سنا۔ انہوں نے اپنے والد عمر بن سلمۃ سے سنا کہ:

كُنَّا نَجْلِسُ عَلٰى بَابِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ فَاِذَا خَرَجَ مَشَيْنَا مَعَهُ اِلَى الْمَسْجِدِ، فَجَاءَنَا اَبُوْ مُوسَى الْاَشْعَرِيُّ فَقَالَ: اَخَرَجَ اِلَيْكُمْ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بَعْدُ؟ قُلْنَا: لَا، فَجَلَسَ مَعَنَا حَتّٰى خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُمْنَا اِلَيْهِ جَمِيْعاً، فَقَالَ لَهُ اَبُوْ مُوسٰى: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنِّيْ رَاَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفاً اَمْراً اَنْكَرْتُهُ، وَلَمْ اَرَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اِلَّا خَيْراً۔ قَالَ: فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ: اِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ۔ قَالَ: رَاَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْماً حِلَقاً جُلُوْساً يَنْتَظِرُوْنَ الصَّلَاةَ، فِيْ كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ، وَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ حَصًى

---

[1] اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم مؤلف مفتی محمد رضوان ص ۱۹

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

فَيَقُوْلُ: كَبِّرُوْا مِائَةً، فَيُكَبِّرُوْنَ مِائَةً، فَيَقُوْلُ: هَلِّلُوْا مِائَةً، فَيُهَلِّلُوْنَ مِائَةً، وَيَقُوْلُ: سَبِّحُوْا مِائَةً فَيُسَبِّحُوْنَ مِائَةً۔ قَالَ: فَمَا ذَا قُلْتَ لَهُمْ؟ قَالَ: مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئاً انْتِظَارَ رَأْيِكَ اَوِ انْتِظَارَ اَمْرِكَ۔ قَالَ: اَفَلَا اَمَرْتَهُمْ اَنْ يَعُدُّوا سَيِّئَاتِهِمْ وَ ضَمِنْتَ لَهُمْ اَنْ لَّا يَضِيْعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ۔ ثُمَّ مَضٰى وَ مَضَيْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اَتٰى حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: مَا هٰذَا الَّذِیْ اَرَاكُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا: يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَصًى نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيْرَ وَ التَّهْلِيْلَ وَ التَّسْبِيْحَ۔ قَالَ: فَعُدُّوْا سَيِّئَاتِكُمْ فَاَنَا ضَامِنٌ اَنْ لَّا يَضِيْعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ، وَيْحَكُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا اَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ، هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُتَوَافِرُوْنَ وَ هٰذِهٖ ثِيَابُهٗ لَمْ تَبْلَ وَ آنِيَتُهٗ لَمْ تُكْسَرْ، وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ فِیْ يَدِهٖ اِنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِیَ اَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ، اَوْ مُفْتَتِحِیْ بَابِ ضَلَالَةٍ۔ قَالُوْا: وَ اللّٰهِ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا اَرَدْنَا اِلَّا الْخَيْرَ۔ قَالَ: وَ كَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيْبَهٗ، اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَدَّثَنَا اَنَّ قَوْماً يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، وَ اَيْمُ اللّٰهِ مَا اَدْرِیْ لَعَلَّ اَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ۔ ثُمَّ تَوَلّٰى عَنْهُمْ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلِمَةَ: رَاَيْنَا عَامَّةَ اُوْلٰئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُوْنَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ[1]

[1] سنن الدارمی، باب فی کراھیۃ اخذ الرای۔

ترجمہ: ہم فجر کی نماز سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گھر سے تشریف لاتے تو ہم ان کے ساتھ (فجر کی نماز کے لیے) مسجد جایا کرتے تھے۔ اسی دوران ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہمارے پاس تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ کیا ابو عبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) ابھی گھر سے تشریف نہیں لائے؟ ہم نے کہا کہ نہیں، تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گھر سے باہر تشریف لائے تو ہم سب کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسی بات دیکھی ہے جو میں نے بری سمجھی (کیوں کہ یہ بات حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ سے ثابت نہیں) اور الحمدللہ میری نیت خیر اور بھلائی یعنی اصلاح کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ کیا بات ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ آپ کی زندگی رہی تو آپ بھی جلد ہی دیکھ لیں گے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے حلقے بنا رکھے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو لوگ سو مرتبہ

اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو بار لا الہ الا اللہ کہو تو سو بار لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا؟

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں کچھ نہیں کہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آپ نے انہیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ (موجودہ طرزِ عمل کے بجائے) اپنے گناہ شمار کریں اور آپ نے ان کو یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ (اپنے گناہ شمار کرنے کی صورت میں) ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہو گی۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں ان لوگوں کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہوئے۔ پھر ان سے پوچھا یہ میں تمہیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر، تہلیل اور تسبیح شمار کر کے پڑھ رہے ہیں (اور ہم کوئی گناہ والا کام نہیں کر رہے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہوں کو شمار کرو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس صورت میں تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہو گی۔ اے امتِ محمد ﷺ! تم پر

افسوس کہ کتنی جلدی تمہاری بربادی ہو گئی کہ تمہارے نبی ﷺ کے یہ صحابہؓ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے (اور تم اتنی جلدی حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ سے ہٹ گئے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے طریقے پر ہو جس میں (نعوذ باللہ تعالیٰ) محمد ﷺ کے طریقے سے زیادہ ہدایت ہے (کیوں کہ یہ طریقہ محمد ﷺ کے طریقہ سے ہٹ کر ہے) یا پھر تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو (کیوں کہ یہ عمل بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے) انہوں نے کہا! اے عبداللہ بن مسعودؓ! اللہ کی قسم، ہم نے تو فقط خیر کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جن کو ہرگز خیر حاصل نہیں ہوتی (لہٰذا تمہارا خیر کا ارادہ کرنے سے یہ بدعت والا کام ثواب کا شمار نہیں ہو گا) بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (اس لیے ان کے حق میں یہ قرآن پڑھنا جو کہ کارِ خیر ہے، ہدایت کا ذریعہ نہیں ہو گا) اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

کے پاس سے چلے گئے۔ حضرت عمرو بن سلمہ (اس روایت کے روای) فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگِ نہروان میں لڑ رہی تھی (اعاذنا اللہ منہ، ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، اور اس کے صحیح ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چناں چہ امام دارمیؒ اس کو حضرت حکم بن مبارکؒ سے روایت کرتے ہیں، اور حضرت حکم بن مبارک کو محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔[1]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

[1] (البخاری فی الادب المفرد و الترمذی) الحکم بن المبارک الباھلی مولاھم ابو صالح الخاشتی۔ و یقال الخواشتی البلخی۔ روی عن مالک و ابی عوانه و الولید بن مسلم و زیاد ابن الربیع و حماد بن زیاد و عباد بن عباد و عبداللہ بن ادریس و عیسی بن یونس و غیرھم۔ و عنه زکریا بن یحیی و یحیی بن بشر البلخیان و عبداللہ الدارمی و اسحاق بن ابراھیم ابن جبلة و آخرون۔ قال ابو عبداللہ ن مندة احد الثقات و ذکره ابن حبان فی الثقات و قال خاشت ناحیة المصلی ببلخ قال البخاری مات سنة ۲۱۳ او نحوھا۔ له عند الترمذی حدیث و احد فی الملحمة الکبری و قلت: و قال ابن المسعانی خواشت من قری بلخ و ھو حافظ ثقة و عده ابن عدی فی ترجمة احمد بن عبدالرحمن الوھبی فیمن یسرق الحدیث (تہذیب التہذیب ج۲ ص ۳۷۶)

الحکم بن المبارک الباھلی، مولاھم البلخی الخاشتی ابو صالح عن: مالک، و حماد بن زید، و شریک، و محمد بن راشد المکحولی و عنه: ابو محمد الدارمی، و یحیی بن بشر، و یحیی بن زکریا البلخیان، و ثقه ابن حبان و اخرج له الترمذی و البخاری فی کتاب الادب و قد روی عبد بن حمید فی مسنده عن الدارمی عنه حدیثاً و قع لنا موافقه بعلو من کتاب الدارمی۔ قال البخاری: مات سنة ثلاث عشرة او نحوھا (تاریخ الاسلام و وفیات المشاھیر و الاعلام، تالیف: شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الزھبی، تحت ترجمة الحکم بن المبارک

اور اس روایت کے دوسرے راوی عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ ہیں۔ [1]

اور عمرو بن یحییٰ ثقہ ہیں، ان کو امام بخاریؒ نے تاریخِ کبیر میں بغیر

الباھلی، مات الحکم بن مبارک مولی باھلۃ البلخی الخاستی ابو صالح سنۃ ثلاث عشرۃ و مائتین او نحوھا (التاریخ الصغیر للبخاری ج۲ ص۲۹۹)

[1] ملحوظ رہے کہ بعض نسخوں میں غلطی سے واؤ کے بغیر عمر بن یحییٰ چھپ گیا ہے۔ حالاں کہ صحیح عمرو بن یحییٰ ہے۔ کیوں کہ عمرو بن یحییٰ ہی کے اپنے والد "یحییٰ بن عمرو" اور ان کے اپنے والد "سلمۃ بن عمرو" سے سماعت ثابت ہے۔ اور اس روایت کے اخیر میں عمرو بن سلمۃ کی صراحت بھی ہے۔ نیز ابنِ ابی شیبۃ نے عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمۃ کے پورے نام کے حوالہ سے اس حدیث کا ایک حصہ اس طرح روایت فرمایا ہے:

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ یَحْیَی بْنِ عَمْرِو بْنِ سَلَمَۃَ، عَنْ اَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ: کُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ بَابِ عَبْدِاللّٰہِ نَنْتَظِرُ اَنْ یَخْرُجَ اِلَیْنَا فَخَرَجَ، فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ حَدَّثَنَا، اَنَّ قَوْمًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ، یَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ، وَ اَیْمُ اللّٰہِ لَا اَدْرِیْ لَعَلَّ اَکْثَرَھُمْ مِنْکُمْ، قَالَ: فَقَالَ: عَمْرُو بْنُ سَلَمَۃَ: فَرَاَیْنَا عَامَّۃَ اُوْلٰٓئِکَ یُطَاعِنُوْنَا یَوْمَ النَّھْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ (اَلْمُصَنَّفُ لِابْنِ اَبِیْ شَیْبَۃَ کتاب الجمل باب ما ذکر فی الخوارج) و ھذا اسناد صحیح، الا ان قولہ: "عمر بن یحیی" اظنہ خطا من النساخ، و الصواب "عمرو بن یحیی" و ھو عمرو بن یحیی بن عمرو بن سلمۃ ابن الحارث الھمدانی۔ کذا ساقہ ابن ابی حاتم فی کتابہ "الجرح و التعدیل (۳/۱/۲۶۹) و ذکر فی الرواۃ عنہ جمعا من الثقات منھم ابن عیینۃ، و روی عن ابی معین انہ قال فیہ: "صالح"۔ و ھکذا ذکرہ علی الصواب فی الرواۃ عن ابیہ، فقال (۴/۲/۱۷۶): "یحیی بن عمرو بن سلمۃ الھمدانی، ویقال: الکندی۔ روی عن ابیہ روی عن شعبۃ و الثوری و المسعودی و قیس بن الربیع و ابنہ عمرو بن یحیی"۔ و لم یذکر فیہ جرحا و لا تعدیلا ویکفی فی تعدیلہ روایۃ شعبۃ عنہ، فانہ کان ینتقی الرجال الذین کانوا یروی عنھم، کما ھو مذکور فی ترجمتہ، و لا یبعد ان یکون فی "الثقات" لابن حبان، فقد اوردہ العجلی فی "ثقاتہ" و قال: "کوفی ثقۃ (عون الودود لتیسیر ما فی السلسلۃ الصحیحۃ من الفوائد و الردود، کتاب العقیدۃ)

جرح کے ذکر فرمایا ہے۔[1]

جبکہ امام بخاریؒ کی عادت جرح کرنے کی ہے۔[2]

اور ابن ابی حاتم نے ابنِ معین سے ان کا ثقہ ہونا نقل فرمایا ہے، نیز ابنِ حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔[3]

اور تیسرے راوی یحیٰ بن وعمرو ہیں، ان کو بھی امام بخاری نے

---

[1] عمرو بن یحیی بن عمرو بن سلمة بن الحارظ الهمدانی الکوفی، سمع اباه، سمع منه سعید بن سلیمان ویقال: الکندی (التاریخ الکبیر للبخاری ج٦ ص ٣٨٢)

[2] چناں چہ علامہ ابنِ قیم عکرمہ بن ابراہیم کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ اَعَلَّهُ الْبَیْهَقِیّ بِانْقِطَاعِهٖ وَ تَضْعِیْفِهٖ عِكْرِمَةَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ۔ قَالَ اَبُو الْبَرَكَاتِ بْنُ تَیْمِیَّةَ: وَ یُمْكِنُ الْمُطَالَبَةُ بِسَبَبِ الضَّعْفِ فَاِنَّ الْبُخَارِیّ ذَكَرَهٗ فِیْ "تَارِیْخِهٖ" وَ لَمْ یَطْعَنْ فِیْهِ وَ عَادَتُهٗ ذِكْرُ الْجَرْحِ وَ الْمَجْرُوْحِیْنَ وَ قَدْ نَصَّ اَحْمَدُ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَهٗ اَنَّ الْمُسَافِرَ اِذَا تَزَوَّجَ لَزِمَهُ الْاِتْمَامُ وَ هٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مَالِكٍ وَ اَصْحَابِهِمَا وَ هٰذَا اَحْسَنُ مَا اُعْتُذِرَ بِهٖ عَنْ عُثْمَانَ۔ (زاد المعاد، مبحث فی قصر الصلاۃ)

اور علامہ ابنِ قیم کا مندرجہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد صاحبِ اعلاء السنن فرماتے ہیں:

قلت اراد بهذا الکلام تحسین الحدیث، بان راویه قد وثقه البخاری بترک الطعن فیه، وهو توثیق منه فلا یقبل فیه الجرح الا مفسراً و لم یوجد، و بان ابن عباس و احمد و اباحنیفة و مالکا اخذوا به و احتجاج المجتهد بحدیث تصحیح له فالحدیث حسن (اعلاء السنن، ج٧، ص ٣٢٧، ٣٢٨، باب اذا تزوج المسافر بلداً و له فیه زوجة فلیتم و ان لم ینو الاقامة)

[3] عمرو بن یحیی بن عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانی سمع اباه روی عنه ابن ابی شیبة و ابن نمیر و عبدالله بن عمرو ابراهیم بن موسی و عبدالله ابن سعید الاشج سمعت ابی یقول ذلک، ناعبدالرحمن قال ذکره ابی عن اسحاق ابن منصور عن یحیی بن معین انه قال عمرو بن یحیی بن سلمة ثقه۔ (الجرح والتعدیل لابنِ ابی حاتم، تحت رقم ١٤٨٧)

عمرو بن یحیی بن عمرو بن سلمة بن الحارث الهمدانی من اهل الکوفة یروی عن ابیه (ثقات ابنِ حبان ج٨ ص ٤٨٠)

تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے ذکر فرمایا ہے۔ اور امام عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، ان سے امام ابو حنیفہؒ روایت کرتے ہیں۔[1]

اور چوتھے راوی عمرو بن سلمۃ ہیں، ان کو ابنِ حبان نے ثقہ فرمایا ہے، اور امام بخاری نے تاریخِ کبیر میں ان کا تذکرہ بغیر جرح کے فرمایا ہے، لہٰذا یہ بھی ثقہ ہیں۔[2]

---

[1] یحیی بن عمرو بن سلمة الهمدانی ویقال الکندی الکوفی عن ابیه روی عنه الثوری و شعبة و عاصم الاحول (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۸ ص ۲۹۲)

یحیی بن عمرو بن سلمة کوفی ثقه وابوه کوفی تابعی ثقه (معرفة الثقات للعجلی ج ۲ ص ۳۵۶، تحت رقم الترجمة ۱۹۹۰)

یحیی بن عمرو بن سلمة الهمدانی و یقال الکندی روی عن ابیه روی عنه شعبة و الثوری و المسعودی و قیس بن الربیع و ابنه عمرو بن یحیی سمعت ابی یقول ذلک (الجرح و التعدیل لابنِ ابی حاتم ج ۹ ص ۱۷۶)

یحیی بن عمرو بن سلمة الهمدانی عن ابیه روی عنه ابو حنیفة و الثوری و شعبة و المسعودی و آخرون (الایثار بمعرفة رواة الآثار لابنِ حجر حرف الیاء آخر الحروف، تحت رقم الترجمة ۲۶۷، ج ۱ ص ۱۹۰)

یحیی بن عمرو بن سلمة الهمدانی، الکوفی۔ حدث (عن): ابیه۔ روی عنه: ابنه عمرو، و مسعر بن کدام، و شعبة، و سفیان الثوری، و عبدالرحمن المسعودی، و قیس بن الربیع (غنیة الملتمس ایضاح الملتبس لابی بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب، المتوفی ۴۶۳ھ، ج ۱ ص ۴۳۸)

[2] عمرو بن سلمة بن الخرب الهمدانی من اهل الکوفة سمع علی بن ابی طالب و عبدالله بن مسعود و سلیمان بن ربیعة روی عنه ابنه یحیی و الشعبی و یزید بن ابی زیاد و کان ممن حضر حرب الخوارج بالنهروان و ورد المدائن اخبرنا احمد بن عمر بن روح النهرو انی بها حدثنا محمد بن ابراهیم بن سلمة الکهیلی الکوفی اخبرنا محمد بن عبدالله بن سلیمادن الحضرمی حدثنا عبدالله بن عمر بن ابان حدثنا عمرو بن یحیی بن عمرو بن سلمة الهمدانی قال سمعت

(۲) اور امام طبرانی نے بھی اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ عمرو بن سلمۃ سے اس طرح روایت کیا ہے:

ابی یحدث عن ابیہ و عمرو بن سلمۃ الھمدانی عن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ حدثنا ان قوما یقروؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ و ایم اللہ ما ادری لعل اکثرھم منکم قال راینا عامۃ اصحاب تلک الحلق یطاعنوننا یوم النھروان مع الخوراج اخبرنا ابن الفضل اخبرنا علی بن ابراھیم المستملی حدثنا ابو احمد بن فارس حدثنا البخاری قال قال لی احمد حدثنا ابو نعیم قال مات عمرو بن حریث و عمرو بن سلمۃ سنۃ خمس و ثمانین و دفنا فی یوم (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، ج ۱۲ ص ۱۶۲، باب ذکر من اسمہ عمرو، تحت رقم الترجمۃ ۶۶۵۰)

عمرو بن سلمۃ بن الحارث الھمدانی، و یقال: الکندی الکوفی، والد یحیی بن عمرو بن سلمۃ...... و ذکرہ ابن حبان فی کتاب "الثقات"، و قال: مات سنۃ خمس و ثمانین، و دفن مع عمرو بن حریث فی یوم واحد، و ھو اخو عبداللہ بن سلمۃ۔ روی لہ البخاری فی "الادب" حدیثا واحدا عن عبداللہ بن مسعود "ما من مسلمین الا بینھما ستر من اللہ، فاذا قال احدھما لصاحبہ کلمۃ ھجر فقد خرق ستر اللہ، و اذا قال احدھما للآخر انت کافر، فقد کافر۔ (تھذیب الکمال ج ۲۲ ص ۴۹)

عمرو بن سلمۃ بن الحارث الھمدانی الکوفی، سمع سلمان بن ربیعۃ و علیا رضی اللہ عنہ، قال ابن ابی الاسود حدثنا عبدالواحد عن عاصم: سمع یحیی بن عمرو بن سلمۃ الکندی: عن ابیہ، و قال سعید بن سلیمان حدثنا عمرو بن یحیی بن سلمۃ: سمع اباہ عن ابیہ: سمع ابن مسعود رضی اللہ عنہ: حدثنا النبی ﷺ ان قوما یقرءون القرآن لا یجاوز تراقیھم، قال احمد حدثنا ابو نعیم: مات عمرو ابن حریث و عمرو بن سلمۃ سنۃ خمس و ثمانین دفنا فی یوم، و قال ابو عوانۃ عن الشیبانی عن عامر: اخبرنی عمرو بن سلمۃ الکندی (التاریخ الکبیر ج ۶ ص ۳۳۷)

عمرو بن سلمۃ الھمدانی و ھو ابن سلمۃ بن الحارث الکوفی سمع سلمان بن ربیعۃ عن علی و روی عن ابن مسعود عن النبی ﷺ سمعت ابی یقول ذلک قال ابو محمد روی عن عمرو بن سلمۃ ابنہ یحیی و ھو یحیی بن عمرو بن سلمۃ (سمعت ابی یقول اخطا البخاری فی عمرو بن سلمۃ حیث جمع بینھما و ھذا جرمی و ذاک ھمدانی کذا فیہ (الجرح و التعدیل لابنِ ابی حاتم ج ۶ ص ۲۳۵)

فَاَتَی اَبُوْ مُوْسٰی، فَقَالَ: اَخَرَجَ اِلَیْکُمْ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: فَخَرَجَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی: مَا جَاءَ بِکَ ھٰذِہِ السَّاعَۃَ؟ قَالَ: ”لَا وَاللّٰہِ اِلَّا اَنِّی رَاَیْتُ اَمْرًا ذَعَرَنِیْ وَاِنَّہٗ لَخَیْرٌ، وَ لَقَدْ ذَعَرَنِیْ وَاِنَّہٗ لَخَیْرٌ، قَوْمٌ جُلُوْسٌ فِی الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ یَقُوْلُ لَھُمْ: سَبِّحُوْا کَذَا وَ کَذَا، اِحْمَدُوْا کَذَا وَ کَذَا“، قَالَ: فَانْطَلَقَ عَبْدُاللّٰہِ وَ انْطَلَقْنَا مَعَہٗ حَتّٰی اَتَاھُمْ، فَقَالَ: ”مَا اَسْرَعَ مَا ضَلَلْتُمْ وَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَحْیَاءٌ وَ اَزْوَاجُہٗ شَوَابٌّ، وَ ثِیَابُہٗ وَ آنِیَتُہٗ لَمْ تَغَیَّرْ، اَحْصُوْا سَیِّئَاتِکُمْ فَاَنَا اَضْمَنُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّحْصِیَ حَسَنَاتِکُمْ“۔ (المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۸۵۵۸)

ترجمہ: تو پھر ابو موسیٰ اشعریؓ تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا ابو عبد الرحمٰن (حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ) ابھی تک گھر سے تشریف نہیں لائے؟ (ہم نے کہا کہ نہیں) تھوڑی دیر بعد حضرت ابنِ مسعودؓ تشریف لے آئے تو حضرت ابو موسیٰؓ سے فرمایا کہ اس وقت آپ کو کیا چیز لے کر آئی ہے؟

توحضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! کوئی بات نہیں مگر یہ کہ میں نے ایک ایسی بات دیکھی، جس سے مجھے ڈر پیدا ہوا اور وہ بظاہر اچھی بات نظر آ رہی ہے۔ اور وہ بات ہی ایسی ہے کہ بظاہر اس کے اچھی ہونے کے باوجود مجھے اس سے ڈر ہو رہا ہے۔ وہ

یہ کہ مسجد میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک آدمی انہیں کہہ رہا ہے کہ اتنی اتنی تسبیح پڑھو، اور اتنی اتنی حمد کرو۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں کے پاس گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: "کہ تم لوگ اتنی جلدی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، دراں حالیکہ ابھی حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ حیات ہیں، اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بوڑھی نہیں ہوئیں، اور آپ ﷺ کے کپڑے اور برتن ابھی تک متغیر نہیں ہوئے۔ تم (اس طرح تسبیحات کو شمار کرنے کے بجائے) اپنے گناہوں کو شمار کرو، میں اللہ پر بھروسہ کر کے ضمانت دیتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو شمار فرمائیں گے۔(ترجمہ ختم)

یہ روایت سند کے اعتبار سے اگرچہ کچھ کمزور ہے۔[1]

لیکن گزشتہ صحیح روایت کے اس کا شاہد ہونے کی وجہ سے حسن درجہ میں داخل ہے۔[2]

---

[1] قال الهيشمى: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَ فِيهِ مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ، وَ ثَّقَهُ النَّسَائِيُّ، وَ ضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَ اَحْمَدُ بْنُ حَنبَلٍ وَ يَحْيَى (مجمع الزوائد، باب الاقتداء بالسلف)

و قال الترمذى: وَ قَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ فِي مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ (ترمذی، باب ما جاء فی كراهية الدخول على المغيبات)

[2] قال الترمذى و سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنبَلٍ يَقُولُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى لا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) صحابہ کرامؓ میں اس طرح کا اجتماعی ذکر رائج نہ تھا جس میں سب ایک ذکر کا التزام کریں (اور ان ذکر کرنے والے لوگوں میں کوئی صحابی یا جلیل القدر تابعی شامل نہ تھا) اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس عمل کو برا سمجھا اور حضرت ابنِ مسعودؓ نے بھی اس عمل پر دیکھے بغیر ہی سُن کر سخت نکیر فرمائی، جو اس کے بدعت و محدث ہونے کی دلیل ہے۔[1]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

يُحْتَجُّ بِهِ۔ وَ كَذٰلِکَ مَنْ تَكَلَّمَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ لَهِيعَةَ وَغَيْرِهِمْ إِنَّمَا تَكَلَّمُوا فِيهِمْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِمْ، وَ كَثْرَةِ خَطَئِهِمْ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُمْ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الأَئِمَّةِ. فَإِذَا تَفَرَّدَ أَحَدٌ مِنْ هَؤُلَاءِ بِحَدِيثٍ، وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ لَمْ يُحْتَجَّ بِهِ، كَمَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: ابْنُ أَبِي لَيْلَى لَا يُحْتَجُّ بِهِ، إِنَّمَا عَنَى إِذَا تَفَرَّدَ بِالشَّيْءِ۔ وَأَشَدُّ مَا يَكُونُ هَذَا إِذَا لَمْ يَحْفَظْ الإِسْنَادَ، فَزَادَ فِي الإِسْنَادِ أَوْ نَقَصَ أَوْ غَيَّرَ الإِسْنَادَ أَوْ جَاءَ بِمَا يَتَغَيَّرُ فِيهِ الْمَعْنَى۔ فَامَّا مَنْ اَقَامَ الْاَسْنَادَ وَ حَفِظَهُ وَ غَيَّرَ اللَّفْظَ فَإِنَّ هَذَا وَاسِعٌ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اِذَا لَمْ يَتَغَيَّرُ الْمَعْنٰى۔ (کتاب العلل للترمذی)

ملحوظ رہے کہ اس روایت کے شروع میں راوی نے اس واقعہ کا مغرب اور عشاء کے درمیان وجود پذیر ہونا ذکر کیا ہے۔ مگر پہلی روایت جو کہ اس روایت کے مقابلے میں سند کے لحاظ سے قوی ہے، اس میں اس واقعہ کے فجر سے پہلے ہونے کی صراحت ہے۔ اور مغرب و عشاء کے درمیان پیش آنے والا واقعہ اس سے الگ ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس لیے مغرب و عشاء کے وقت کے بارے میں یہ مؤخر الذکر روایت حسن نہ ہوگی، جیسا کہ امام ترمذی کے مندرجہ بالا کلام سے یہ اصول معلوم ہو رہا ہے۔ وقد صرح بہ غیر واحد من ائمۃ المحدثین۔

[1] چناں چہ اہلِ حق اکابر کی متفقہ دستاویز براہینِ قاطعہ میں ہے:

(ب) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا نکیر فرمانا، اس اجتماعی ذکر کی ہیئت پر تھا۔ اسی لیے جواب میں ان لوگوں نے ذکر کرنا بتلایا اور حضرت ابنِ مسعودؓ نے ان کے جواب کے باوجود ان کے اس عمل کو درست قرار نہیں دیا۔

(ج) اس زمانے میں صحابہؓ کرام کی کثیر جماعت موجود تھی اور وہ اس طرح ذکر نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اس طرح کا ذکر حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اسی لیے ان لوگوں کو تنبیہ کرتے وقت حضرت ابنِ مسعودؓ نے صحابہؓ کرام کی موجودگی اور آپ ﷺ کے بعض آثار کی موجودگی کا حوالہ دیا اور ان کو ضلالت کا مرتکب فرمایا۔

(د) ان لوگوں نے کسی گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ خیر و ثواب کا ارادہ کیا تھا لیکن حضرت ابنِ مسعودؓ نے اس کے باوجود اسے گناہ قرار دیا۔ کیوں کہ بدعت میں ارادہ نیکی کا ہی ہوتا ہے، مگر وہ اس کے باوجود گناہ ہی رہتی ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے۔ اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہوا یا نہ ہوا، وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔ اور یہ بھی سنو کہ اس زمانہ میں شیوع بلا نکیر دلیل جواز کی ہے اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدمِ جواز کی ہے۔ علیٰ ھٰذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدمِ جواز کی اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۳۲، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(اس کی مزید تفصیل آگے عربی عبارت نمبر ا میں ملاحظہ فرمائیں)

پس اپنے مقصود و مفہوم میں صریح و صحیح روایت کے ہوتے ہوئے بعض حضرات کا تداعی کے ساتھ ایک ذکر کے التزام کی جہری مجالسِ ذکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و احادیث کی طرف منسوب کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔

(۳) محدثِ عظیم حافظ ابو نعیم اصفہانیؒ نے حضرت ابو البختری اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ابو الزعراء سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک اور اسی طرح کا واقعہ روایت کیا ہے۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

چناں چہ وہ اس طرح روایت فرماتے ہیں:

اخبر رجل عبداللہ بن مسعود ان قوما یجلسون فی المسجد بعد المغرب فیھم رجل یقول: کبروا اللہ کذا و کذا، سبحوا اللہ کذا و کذا، و احمدو اللہ کذا و کذا۔ قال عبداللہ: فیقولون؟ قال: نعم، قال: فاذا رایتھم فعلوا ذلک فاتنی فاخبرنی بمجلسھم، فاتاھم و علیہ برنس لہ، فجلس فلما سمع ما یقولون قام و کان رجلا حدیدا۔ فقال: انا عبداللہ بن مسعود و اللہ الذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلما، و لقد فضلتم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علما، فقال معضد: و اللہ ما جئنا ببدعۃ ظلما، و لا فضلنا اصحاب محمد علما، فقال

عمرو بن عتبة: یا ابا عبدالرحمن نستغفر الله، قال: علیکم بالطریق فالزموه، فوالله لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا بعیدا، و لئن اخذتم یمینا و شمالا لتضلن ضلالا بعیدا۔[1]

ترجمہ: حضور ﷺ کے عظیم صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک شخص نے اطلاع دی (ابو الزعراء کی روایت میں اس آنے والے شخص کا نام مسیّب بن نجیہ مذکور ہے) کہ کچھ لوگ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہیں اور ایک شخص ان میں سے (دوسروں کو مختلف قسم کے ذکر کی تلقین کرتے ہوئے) کہتا ہے کہ اتنی اور اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور اتنی اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو، اور اتنی اور اتنی مرتبہ الحمدللہ کہو (اور دوسرے لوگ اس کے کہنے کے مطابق یہ مخصوص ذکر کرتے ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس اطلاع دینے والے شخص سے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا واقعی وہ لوگ اس طرح کرتے ہیں؟

اس شخص نے کہا کہ جی ہاں واقعی وہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ اب کی مرتبہ وہ ایسا کریں تو اس وقت تم ان کی اس مجلسِ ذکر کی مجھے آکر خبر کرنا۔

چناں چہ (اس شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۸۔ تحت ترجمۃ سعید بن فیروز ابو البختری

تو) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور اس وقت آپ کے سر پر لمبی ٹوپی تھی۔ پھر جب ان کے مذکورہ طریقہ پر ذکر کرنے کو اپنے کانوں سے سن لیا تو غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ اور آپ مضبوط آدمی تھے۔

اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی قسم! یہ کام کر کے یا تو تم نے ایک سیاہ بدعت ایجاد کی ہے، یا پھر تم لوگ علم میں حضور ﷺ کے صحابہ سے بھی آگے بڑھ گئے ہو؟

اس پر مجلس میں موجود معضد نامی شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم نے کوئی سیاہ بدعت نہیں کی اور نہ ہم محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر علم میں آگے بڑھے۔

عمرو بن عتبہ نامی شخص نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود) ہم اپنے اس عمل پر اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم پر صحابہ کرامؓ کا طریقہ لازم ہے (جبکہ تمہارا یہ طریقہ صحابہ کرامؓ کا نہیں ہے) اور اللہ کی قسم! اگر تم صحابہؓ کے طریقے کو اختیار کرو گے تو بہت آگے بڑھ جاؤ گے۔ اور اگر تم اس طریقہ سے ذرا بھی دائیں بائیں ہوئے تو تم ضرور بالضرور دور دراز کی گمراہی میں جا پڑو گے۔ (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس روایت کی سند صحیح ہے۔[1]

چناں چہ حضرت ابو الزعراء جو اس واقعے کو حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت ابنِ مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔ امام عجلی اور ابنِ حبان اور ابنِ سعد نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

اور حضرت ابو الزعراء سے اس کو روایت کرنے والے سلمہ بن

---

[1] حافظ ابو نعیم اصفہانیؒ، حضرت عطاء بن سائب کی سند سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواہ زائدہ، و جعفر بن سلیمان، عن عطاء، و رواہ قیس بن ابی حازم، و ابو الزعراء، عن عبداللہ بن مسعود فسمی ابو الزعراء الرجل الذی اتاہ، فقال: جاء المسیب بن نجیة الی عبداللہ۔

حدثناہ سلیمان، قال: حدثنا علی، قال: حدثنا ابو نعیم، قال: حدثنا سفیان، عن سلمة بن کھیل، عن ابی الزعراء، قال: جاء المسیب بن نجیة الی عبداللہ، فقال: انی ترکت قوماً فی المسجد، فذکر نحوہ (حلیۃ الاولیاء حوالہ بالا)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے ابو البختری کے علاوہ اس کو حضرت قیس بن ابی حازم اور ابو الزعراء نے بھی روایت کیا ہے، اور اگرچہ ابو البختری کی روایت میں انقطاع پایا جاتا ہے، لیکن قیس بن ابی حازم اور ابو الزعراء کی روایات اس انقطاع سے پاک ہیں۔

ابو البختری اور قیس بن ابی حازم کی روایات تو آگے آتی ہیں، اور ابو الزعراء کی سند پر کلام اوپر مذکور ہے۔

[2] عبداللہ بن ھانی ابو الزعراء من اصحاب عبداللہ ثقه (الثقات للعجلی، جز ۲ ص ۶۵)

عبداللہ بن ھان ابو الزعراء الاکبر الکوفی و ثقه العجلی من الثانیة (تقریب التھذیب ج ۱ ص ۵۴۳)

ابو الزعراء الاعدل الکبیر اسمه عبداللہ بن ھان الھمدانی من اھل الکوفة یروی عن بن مسعود روی عنه سلمه بن کھیل (ثقات ابن حبان ج ۵ ص ۱۴)

و الذی فی الطبقات لابن سعد ابو الزعراء الحضرمی و قیل الکندی روی عن علی و عبداللہ و کان ثقة و له احادیث و قال العجلی ثقة من کبار التابعین (تھذیب التھذیب ج ۶ ص ۵۶)

کہیل ہیں، یہ بھی ثقہ ہیں۔[1]

اور سلمہ بن کہیلؒ سے روایت کرنے والے سفیان بن عینیہؒ اور ان سے روایت کرنے والے ابو نعیمؒ ہیں۔ یہ دونوں مشہور محدث اور حافظ الحدیث ہیں۔[2]

اور ابو نعیمؒ سے روایت کرنے والے علی بن عبد العزیزؒ ہیں جو کہ امام اور حافظ الحدیث ہیں اور ان کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں۔[3]

---

[1] سلمة بن كهيل الحضرمی ابو يحيى الكوفی ثقه من الرابعة (تقریب التہذیب ج۱ ص۳۷۸)

[2] سفیان بن عینیه *(ع) ابن ابی عمران میمون مولی محمد بن مزاحم اخی الضحاک ابن مزاحم الامام الكبير حافظ العصر، شیخ الاسلام، ابو محمد الهلالی الكوفی، ثم المكی (سیر اعلام النبلاء ج۸ ص۴۵۴)

ابو نعیم *(ع) الفضل بن دكين، الحافظ الكبير، شيخ الاسلام (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص۱۴۲)

[3] علی بن عبدالعزیز * ابن المرزبان ابن سابور: الامام، الحافظ، الصدوق، ابو الحسن البغوی، نزیل مكة۔ ولد سنة بضع و تسعين و مئة۔ و سمع: ابا نعيم، و عفان، و القعنبی، و مسلم بن ابراهيم، و موسى ابن اسماعيل، و اباعبيد، و احمد بن يونس، و علی بن الجعد، و عاصم بن علی، و طبقتهم۔ و جمع، و صنف "المسند" الكبير، و اخذ القراءات عن ابی عبيد، و غيره ...... و كان حسن الحديث۔ قال الدار قطنی: ثقة مامون۔ و قال ابن ابی حاتم: كتب الينا بحديث ابی عبيد، و كان صدوقا (سیر اعلام النبلاء ج۱۳ ص۳۴۸)

علی بن عبدالعزیز بن المرزبان بن سابور الحافظ الصدوق ابو الحسن البغوی شيخ الحرم و مصنف المسند۔

سمع ابا نعيم و عفان و القعنبی و مسلم بن ابراهيم و اباعبيد و خلائق ...... و عاش بضعا و تسعين عاما، قال الدار قطنی: ثقة مامون۔

و قال ابن ابی حاتم: صدوق۔

حافظ عبدالوحید الحنفی خادم اہلسنت

او علی بن عبد العزیز سے سلیمان بن احمد روایت کرتے ہیں، اور یہ مشہور محدث امام طبرانیؒ کا نام ہے۔[1]

اور روایت میں جو واقعہ مذکور ہے، وہ پہلی روایت کے علاوہ ہے، جس کے قرائن یہ ہیں:

(الف) پہلی روایت میں حضرت ابنِ مسعودؓ کو اطلاع دینے والے مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں۔ جبکہ دوسری روایت میں غیر معروف شخص ہیں یا مسیّب بن نجیہ نامی شخص ہیں۔

(ب) پہلی روایت میں فجر سے پہلے کا ذکر کرنے کا واقعہ مذکور ہے، جبکہ دوسری روایت میں مغرب کے بعد کی وضاحت ہے۔

(ج) پہلی روایت میں مختلف ذکر کے حلقوں کا ذکر ہے، جبکہ دوسری روایت میں مختلف حلقوں کے بجائے ایک ہی حلقہ اور ایک مجلس کا ذکر ہے۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید

و اما النسائی فمقته لکونه کان یاخذ علی الحدیث، و لا شک انه کان فقیرا مجاورا، قال ابن السنی: یلغنی انه کان اذا عوتب علی ذلک قال یا قوم انا بین الاخشبین و اذا ذهب الحجاج نادی ابو قبیس قعیقعان یقول من بقی؟ فیقول: المجاورون، فیقول: اطبق۔ توفی سنة ست و ثمانین و مائتین۔ (تذکرۃ الحفاظ جز ۲ ص ۶۲۳)

[1] الطبرانی* هو الامام، الحافظ، الثقة، الرحال الجوال، محدث الاسلام، علم المعمرین، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی الطبرانی، صاحب المعاجم الثلاثة۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۱۱۹)

(د) پہلی روایت میں حضرت ابنِ مسعودؓ اطلاع ملنے کے فوراً بعد ہی ان لوگوں کے پاس تنبیہ کے لیے گئے تھے، جبکہ دوسری روایت میں جب مجلسِ ذکر قائم ہونے کی اطلاع ملی، اس وقت گئے تھے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ مسعودؓ نے ایک ذکر کے التزام کے عمل کو سیاہ و تاریک بدعت اور صحابہ ٔ کرامؓ کے طریقہ سے ہٹنا قرار دیا۔

پس جو لوگ مروجہ اجتماعی ذکر کو؛ جس میں تمام اہلِ مجلس ایک ذکر کا التزام کرتے ہیں، اور اس کے لیے تداعی کرتے ہیں، حضور ﷺ اور صحابہ ٔ کرامؓ و احادیثِ رسول ﷺ کی طرف منسوب کرکے سنت قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید

(۴) اور حضرت امام، عبدالرزاقؒ، سفیان بن عیینہؒ سے اور وہ بیان بن بشر سے، اور وہ قیس بن ابی حازم سے، اس روایت کو مختصر انداز میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

ذکر لابن مسعود قاص یجلس باللیل ویقول للناس، قولوا کذا، قولوا کذا (فقال:) اذا رایتموہ فاخبرونی، فاخبروہ، قال: فجاء عبداللہ متقنعا، فقال: من عرفنی، و من لم یعرفنی فانا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، تعلمون انکم لاھدی من محمد

و اصحابہ و انکم لمتعلقین بذنب ضلالۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک قصہ گو رات کو بیٹھتا ہے اور لوگوں کو کہتا ہے کہ اس طرح کہو، اور اس طرح کہو (یعنی تکبیر، تہلیل، تمجید اور تسبیح کراتا ہے)

تو حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تم اسے دیکھو تو مجھے خبر کرو، تو لوگوں نے حضرت ابنِ مسعودؓ کو اس کی خبر کی۔

پس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر پر لمبی ٹوپی اوڑھ کر آئے اور فرمایا کہ جس نے مجھے پہچان لیا؛ فبہا، اور جس نے نہیں پہچانا تو میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں، تم یہ (عمل کرکے) سمجھتے ہو کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحابؓ سے زیادہ ہدایت پر ہو، حالاں کہ بلاشبہ تم گمراہی کے گناہ میں پھنسے ہوئے ہو۔ (ترجمہ ختم)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

اس روایت میں بعض لوگوں نے قصہ گو کے ذکر سے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو قصہ گوئی کی وجہ سے منع کیا تھا، اور اسی کو ضلالت کہا تھا۔ حالاں کہ منع کرنے کی اصل وجہ مخصوص طریقہ پر اجتماعی ذکر کرنا تھی۔[2]

---

1 مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۵۴۰۸، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۵۱ عن عبدالرزاق۔

2 چناں چہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب ؒ فرماتے ہیں:

"اولاً تو اس روایت میں کہیں اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کہ وہ بے ہودہ اور لایعنی قصہ گوئی کرتا تھا اور

اس روایت کی سند بھی درست ہے۔ چناں چہ اس کو روایت کرنے والے امام عبدالرزاقؒ تو مشہور حافظ الحدیث ہیں۔ اور سفیان بن عینیہؒ بھی مشہور محدث اور حافظ الحدیث ہیں، جن کا ذکر پیچھے گزر

درمیان میں کبھی کبھی لوگوں سے ذکر اللہ بھی کروایا کرتا تھا، بلکہ یہ ثابت ہے کہ جو کچھ وہ کہتا جاتا تھا وہی کچھ جملہ اہلِ مجلس کہتے جاتے تھے۔

وثانیاً ہم نے مسند دارمی کی صحیح روایت سے یہ عرض کر دیا ہے کہ وہ سو سو مرتبہ اللہ اکبر، سو سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور سو سو مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ ان کو پڑھواتا تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے پڑھتے جاتے تھے اور ان کا اس اجتماعی رنگ میں ذکر کرنا ہی حضرت ابنِ مسعودؓ کو ناگوار گزرا اور اسی کو انہوں نے بدعتِ ضلالہ کہا اور بدعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا۔..........

از راہِ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے قصہ گوئی کو بدعتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا ہے یا سنگ ریزوں پر تکبیر و تہلیل اور تسبیح پڑھنے کو؟ اور یہ انکار عروض ہیئتِ جدیدہ کی وجہ سے تھا یا قصہ گوئی کی وجہ سے، اور ان لوگوں نے اپنا قصور سنگ ریزوں اور کنکریوں پر تکبیر و تہلیل اور تسبیح پڑھنا بیان کیا ہے یا قصہ گوئی سننا؟ اور حضرت ابنِ مسعودؓ نے "فعدوا اسیئاتکم" ارشاد فرما کر تکبیر و تسبیح وغیرہ شمار کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس فعل کو بدعت کہا ہے یا اس سے قصہ گوئی کا کنکریوں پر شمار کرنا مراد ہے؟

الغرض.......... یہ تاویل سراسر مردود ہے، حضرت ابنِ مسعودؓ کا انکار صرف عروضِ ہیئتِ جدیدہ کی وجہ سے تھا۔ اسی کی طرف شیخ الاسلام ابن دقیق العید نے اشارہ کیا ہے اور اسی کو قاضی ابراہیم نے "بصفۃ لم تکن فی زمن الصحابۃ" سے تعبیر کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ حضرت ابنِ مسعودؓ کا انکار مخصوص ہیئت اور خاص کیفیت کے ساتھ اور متعین صفت کے ساتھ ذکر اللہ پر جمع ہونے کی وجہ سے تھا اور اسی کو انہوں نے بدعتِ ظلماء اور بدعتِ عظمیٰ اور ضلالت فرمایا ہے۔

وثالثاً لفظِ قاص کے معنٰی لغتِ عربی میں بیان کرنے والا ہے، عام اس سے کہ اچھی بات بیان کرے یا بری۔ ہاں عرف میں قاص قصہ گو کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ اچھے قصے بیان کرے یا برے۔ لفظِ قاص سے علی التعین قصہ گو مراد لینا اور قصہ گو سے بے اصل قصہ گو مراد لینا عجیب منطق ہے۔

(راہ سنت ص ۱۲۵ و ۱۲۶، باب چہارم۔ ملخصاً)

چکا ہے۔ اور دوسرے راوی حضرت بیان بن بشر احمسیؒ ہیں، یہ بھی حدیث کے بڑے امام اور ثقہ ہیں۔ [1]

[1] بیان بن بشر الاحمسی البجلی، ابو بشر الکوفی المعلم ...... قال البخاری، عن علی ابن المدینی: لہ نحو سبعین حدیثا۔ و قال عبداللہ بن احمد بن حنبل، عن ابیہ: ثقة من الثقات۔ و قال اسحاق بن منصور عن یحیی بن معین، و ابو حاتم، و النسائی: ثقة۔ زاد ابو حاتم: و ھو احلی من فراس۔ و قال احمد بن عبداللہ العجلی: کوفی ثقة، و لیس بکثیر الحدیث، روی اقل من مئة حدیث۔ و قال یعقوب بن شیبة: کان ثقة ثبتا۔ روی لہ الجماعة (تہذیب الکمال، تحت ترجمہ رقم ۷۹۲)

بیان بن بشر *(ع) الامام، الثقة، المودب، ابو بشر الاحمسی الکوفی۔ عن انس بن مالک، و طارق بن شھاب، و قیس بن ابی حازم، و الشعبی، و جماعة۔ روی عنه زائدة، و سفیان بن عینیة، و ابن فضیل، و عبیدة بن حمید، و علی ابن عاصم، و آخرون۔ لہ نحو من سبعین حدیثاً۔ و ھو حجة بلا تردد۔ (سیر اعلام النبلاء ج۶ ص ۱۲۴)

بیان بن بشر الاحمسی کنیته ابو بشر المعلم من اھل الکوفة یروی عن انس بن مالک روی عنه الثوری و شعبة و الناس (ثقات ابنِ حبان ج ۴ ص ۷۹)

بیان بن بشر الاحمسی بمھملتین ابو بشر الکوفی ثقة ثبت من الخامسة۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۱)

قال ابن المدینی لہ نحو سبعین حدیثا و قال احمد ثقة من الثقات و قال ابن معین و ابو حاتم و النسائی ثقة۔ و زاد ابو حاتم و ھو اعلی من فراس و قال العجلی کوفی ثقة و لیس بکثیر الحدیث روی اقل من مائة حدیث و قال یعقوب بن شیبة کان ثقة ثبتا۔ قلت: و قال یعقوب بن سفیان ثقة و قال ابو ذر الھروی عن الدار قطنی ھو احد الثقات الاثبات و فرق ابو الفضل الھروی و الخطیب فی المتفق و المفترق بینه و بین بیان بن بشر المعلم یروی عن ھاشم بن البرید۔ زاد الخطیب لیس لھاشم روایة عن البجلی و مما یدل علی انھما اثنان ان المعلم طائی و الاخر بجلی و ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۴۴)

بین بن بشر ابو بشر الکوفی الاحمسی المعلم، قال لی صدقة اخبرنا اسحاق الازرق عن شریک عن بیان: عن قیس عن المغیرة بن شعبة عن النبی ﷺ قال: ابردوا بالظھر! و قال لنا موسی عن ابی عوانة عن طارق عن قیس عن عمر قولہ، و قال وکیع عن ابن ابی خالد: عن قیس:

اور تیسرے راوی قیس بن ابی حازمؒ ہیں جن کا اصل نام حصین بن عوفؒ ہے اور یہ کوفہ کے مشہور محدث ہیں اور ان کے والد ابو حازمؓ صحابیٔ رسول ہیں۔[1]

اور ان کا حضرت ابنِ مسعودؓ سے سماع ثابت ہے۔[2]

کان یقال، و سمع انسا، روی عنہ الثوری و شعبۃ و ابو عوانۃ (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ ص ۱۴۳)

[1] قیس بن ابی حازم، و اسمہ حصین بن عوف، و یقال: عوف بن عبدالحارث و یقال: عبد عوف بن الحارث بن عوف بن حشیش بن ہلال بن الحارث بن رزاح بن کلفۃ، و یقال: کلیب بن عمرو بن لؤی بن رہم، و یقال: دہر بن معاویۃ بن اسلم بن احمس بن الغوث بن انمار بن اراش بن عمرو ابن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبأ بن یشجب ابن یعرب بن قحطان البجلی الاحمسی، ابو عبداللہ الکوفی۔ و بجیلۃ ہم بنو انمار بن اراش، امہم بجیلۃ بنت مصعب بن سعد العشیرۃ۔ ادرک الجاہلیۃ، و ہاجر الی النبی ﷺ لیبایعہ، فقبض و ہو فی الطریق، و قیل: انہ رآہ یخطب، و لم یثبت ذلک، و ابوہ ابو حازم لہ صحبۃ۔ (تہذیب الکمال تحت ترجمۃ قیس بن ابی حازم)

قیس بن ابی حازم الامام ابو عبداللہ الاحمسی البجلی الکوفی محدث الکوفۃ سار لیدرک النبی ﷺ و آلہ و لیبایعہ فتوفی نبی اللہ و قیس فی الطریق، سمع ابا بکر و عمر و ثمان و علیا و ان عبیدۃ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم و عدۃ من الکبار، و کان عثمانیا، حدث عنہ بیان بن بشر و الاعمش و اسماعیل بن ابی خالد و مجالد و آخرون، و ثقہ یحیی بن معین و غیرہ، و قال ابن المدینی قال لی یحیی بن سعید: ہو منکر الحدیث، ثم ذکر لہ حدیث کلاب الحواب، قلت: حدیثہ محتج بہ فی کل دواوین الاسلام۔ توفی سنۃ سبع و تسعین و قیل سنۃ ثمان رحمہ اللہ تعالی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۱)

[2] چناں چہ بخاری شریف کی ایک حدیث اس طرح ہے، جس میں سماع کی تصریح ہے:

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ

(۵) اور امام طبرانیؒ حضرت ابو مسلم کشیؒ سے اور وہ ابو عمر ضریرؒ سے اور وہ حماد بن سلمہؒ سے اور وہ عطاء بن سائبؒ سے اور وہ عبدالرحمٰن سلمیؒ سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

کان عمرو بن عتبة بن فرقد السلمی و معضد فی اناس من اصحابهما اتخذوا مسجدا یسبحون فیه بین المغرب و العشاء کذا، و یهللون کذا و یحمدون کذا، فاخبر بذلک عبداللّٰہ بن مسعود، فقال للذی اخبره: "اذا جلسوا فآذنی"، فلما جلسوا آذنه فجاء عبداللّٰہ علیه برنس حتّٰی دخل علیهم فکشف البرنس عن راسه، ثم قال: "انا ابن ام عبد، و اللّٰہ لقد جئتم ببدعة ظلماء، او قد فضلتم اصحاب محمد ﷺ علما، "فقال معضد، و کان رجلا مفوها: و اللّٰہ ما جئنا ببدعة ظلماء و لا فضلنا اصحاب محمد ﷺ فقال عبداللّٰہ: "لئن اتبعتم القوم لقد سبقوکم سبقا مبینا، و لئن جرتم یمینا و شمالا لقد ضللتم ضلالا بعیدا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۵۴)

ترجمہ: عمر بن عتبہ بن فرقد سلمی اور معضد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان اجتماعی انداز میں

اللہُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ (بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ)

لا الہ الا اللہ اور الحمدللہ وغیرہ پڑھتے تھے۔

اس واقعہ کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر کی گئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خبر دینے والے کو کہا کہ جب وہ اس مرتبہ مذکورہ مجلسِ ذکر قائم کریں تو مجھے اطلاع دو، پس جب انہوں نے یہ مجلس قائم کی تو اس شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اطلاع دی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر پر لمبی ٹوپی پہن کر تشریف لائے اور ان کی مجلس میں داخل ہوئے۔ پھر آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور فرمایا کہ میں ام عبد کا بیٹا ہوں، قسم اللہ کی! بلاشبہ تم سیاہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہو، یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے علم میں زیادہ فضیلت لے گئے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) تو اس پر معضد نے کہا جو کہ منہ پھٹ آدمی تھا کہ اللہ کی قسم! ہم نے سیاہ بدعت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ہم محمد ﷺ کے صحابہؓ پر فضیلت رکھتے ہیں۔

تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم حضور ﷺ کے صحابہؓ کرام کی اتباع کرو گے؛ تو تم واضح طور پر ہدایت میں آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم صحابہ کرامؓ کے طریقہ سے دائیں

بائیں ہو گے تو تم دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔(ترجمہ ختم)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ و معتبر ہیں۔

چناں چہ اس روایت کے پہلے راوی ابو مسلم کُشیؒ ہیں جو امام اور حافظ الحدیث اور ثقہ ہیں۔[1]

اس روایت کے دوسرے راوی ابو عمر ضریرؒ ہیں جو کہ صدوق اور صالح ہیں۔[2]

---

[1] الطبقة السادسة عشرة۔ الكجى * الشيخ، الامام، الحافظ، المعمر، شيخ العصر، ابو مسلم، ابراهيم بن عبدالله بن مسلم بن ماعز بن مهاجر، البصرى الكجى، صاحب "السنن"۔ ولد سنة نيف و تسعين و مئة۔...... و ثقة الدار قطنى، وغيره۔ و كان سريا نبيلا متمولا، عالما باحديث و طرفه، عالي الاسناد، قدم بغداد و ازدحموا عليه ...... مات ببغداد فى سابع المحرم، سنة اثنتين و تسعين و مئتين، فنقل الى البصرة، و دفن بها، و قد قارب المئة، رحمه الله (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۴۲۵)

اخبرنا على بن محمد بن عبدالله المعدل اخبرنا دعلج بن احمد قال سمعت موسى بن هارون يقول ابو مسلم الكشى ثقة اخبرنى الازهرى عن ابى الحسن الدار قطنى قال ابو مسلم ابراهيم بن عبدالله بن مسلم البصرى يعرف بالكجى صدوق ثقه حدثنى محمد بن صلى الصورى قال سالت عبدالغنى بن سعيد الحافظ عن ابى مسلم الكجى فقال ثقة نبيل اخبرنا محمد بن احمد بن رزق اخبرنا اسماعيل بن على الخطبى قال و مات ابو مسلم ابراهيم بن عبدالله الكجى يوم الاحد لسبع خلون من المحرم سنة اثنتين و تسعين و مائتين و احد ربه الى البصرة فدفن هناک۔ (تاریخ بغداد۔ الخطیب البغدادی ج ۶، ص ۱۲۳)

[2] حفص بن عمر، ابو عمر الضرير الاكبر البصرى ...... قال ابو حاتم: صدوق، صالح الحديث، عامة حديثه يحفظه۔ و قال ابن حبان: كان من العلماء بالفرائض، و الحساب، و الشعر، و ايام الناس، و الفقه، ولد و هو اعمى۔ و قال فى موضع آخر: كان من علماء اهل البصرة مات سنة عشرين و مئتين۔ زاد غيره: لتسع بقين من شعبان بالبصرة و هو ابن نيف و سبعين

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

اور اس روایت کے تیسرے راوی حماد بن سلمۃؒ ہیں جو کہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔[1]

اور اس روایت کے چوتھے راوی عطاء بن السائبؒ ہیں جو کہ امام، حافظ اور کوفہ کے محدث اور ثقہ ہیں۔[2]

سنة۔(تہذیب الکمال ج۷ ص۴۸۵)

حفص بن عمر ابو عمر الضریر الاکبر البصری صدوق عالم قیل ولد اعمی من کبار العاشرة مات سنة عشرین و قد جاز السبعین (تقریب التہذیب ج۱ ص۲۲۸)

[1] حماد بن سلمة بن دینار البصری، ابو سلمة بن ابی صخرة مولی ربیعة بن مالک بن حنظلة من بنی تمیم، و یقال: مولی قریش، و یقال: مولی حمیری بن کرامة، و هو ابن اخت حمید الطویل ...... و قال اسحاق بن منصور، عن یحیی بن معین: حماد بن سلمة ثقة۔ و قال عباس الدوری، عن یحیی بن معین: حدیثه فی اول امره و آخره واحد۔ و قال عنه ایضا: من خالف حماد بن سلمة فی ثابت فالقول قول حماد۔ قیل: فسلیمان بن المغیرة عن ثابت قال: سلیمان ثبت، و حماد اعلم الناس بثابت۔ و قال ابو بکر بن ابی خیثمة، عن یحیی بن معین: اثبت الناس فی ثابت البنانی حماد بن سلمة۔ و قال جعفر بن ابی عثمان الطیالسی، عن یحیی بن معین: من سمع من حماد بن سلمة الاصناف ففیها اختلاف، و من سمع من حماد بن سلمة نسخا فهو صحیح۔ و قال عنه ایضا: اذا رایت انسانا یقع فی عکرمة، و فی حماد بن سلمة فاتهمه علی الاسلام۔(تہذیب الکمال ج۷ ص۲۶۲)

[2] البتہ ان کو آخر میں اختلاط ہو گیا تھا، پس جن حضرات نے ان سے اختلاط سے قبل سماعت کی، ان کی مرویات تو معتبر ہیں۔ اور حضرت حماد بن سلمۃؒ نے حضرت عطاء سے اختلاط سے قبل سماعت کی یا بعد میں، اس بارے میں دونوں قول ہیں۔ اور علامہ ابنِ حجرؒ نے قبل اور بعد دونوں میں سماعت کو ترجیح دی ہے۔ اس اعتبار سے مذکور روایت حسن ہے اور دیگر شواہد کے ہوتے ہوئے تو حسن ہونے میں شبہ ہی نہیں۔

و قال النسائی: ثقة فی حدیثه القدیم الا انه تغیر، و روایة حماد بن زید، و شعبة، و سفیان عنه جیدة، الحمیدی عن سفیان قال: کنت سمعت من عطاء بن السائب قدیما۔ (سیر اعلام

النبلاء ج۲ ص ۱۱۰)
و قال ابو حاتم: کان محله الصدق قدیما قبل ان یختلط، صالح مستقیم الحدیث ثم باخرة تحیر حفظه، فی حدیثه تخالیط کثیرة، و قدیم السماع من عطاء: سفیان، و شعبة۔ و فی حدیث البصریین الذین یحدثون عنه تخالیط کثیرة لانه قدم علیهم فی آخر عمره، و ماروی عنه ابن فضیل ففیه غلط و اضطرب، رفع اشیاء کان یرویها عن التابعین فرفعها الی الصحابة۔ (تهذیب الکمال ج۲۰ ص ۸۴)
قال ابو صیری: هذا اسناد رجاله رجال الصحیح الا ان عطاء بن السائب اختلط باخرة، و حماد بن سلمة انما روی عنه بعد الاختلاط کما اوضحته فی تبیین حال المختلطین۔ لکن المتن له شاهد صحیح من حدیث ابی هریرة، رواه الامام احمد بن حنبل فی مسنده، و البخاری، فی صحیحة و غیرهما۔ (اتحاف الخیرة المهرة بزوائد السمانید العشرة تحت حدیث رقم ۲۱۷۲)
قال الهیشمی: رواه احمد بن و البزار و فیه عطاء بن السائب و هو ثقة اختلط، و لکنه من روایة حماد بن سلمة عن عطاء، و حماد سمع منه قبل الاختلاط قاله ابو داود فیما رواه ابو عبید الاجری عنه۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص ۱۰۵ ۔باب مایستفتح به الصلاة)
رواه احمد، و رجاله ثقات، لان حماد بن سلمة روی عن عطاء بن السائب قبل الاختلاط۔ (مجمع الزوائد ج۷ ص ۱۱۲)
و رجالهما رجال الصحیح غیر عطاء بن السائب، و قد حدث عنه حماد بن سلمة قبل الاختلاط۔ (مکمع الزوائد ج۱۰ ص ۹۷)
قال المنذی: و اسناده صحیح ان شاء اللہ فان عطاء بن السائب ثقة و ققد حدث عنه حماد بن سلمة قبل الاختلاط۔ (الترا غیب و التهریب ج۲ ص ۲۹۱)
قال ابن حجر: و اسناده صحیح فانه من روایة عطاء بن السائب و قد سمع منه حماد بن سلمة قبل الاختلاط اخرجه ابو داؤد و ابن ماجة من حدیث حماد۔ (تلخیص الحبیر فی احادیث الرافعی الکبیر تحت حدیث رقم ۱۹۰)
قال ابن حجر: قلت: فیحصل لنا من مجموع کلامهم ان سفیان الثوری و شعبة و زهیر او زائدة و حماد بن زید و ایوب عنه صحیح و من عداهم یتوقف فیه الا حماد بن سلمة فاختلف قولهم و

اور آخری راوی حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ ہیں جو کہ کوفہ کے عظیم قاری، امام اور معلم اور ثقہ ہیں۔ اور حضرت ابنِ مسعودؓ سے ان کا لقاء و سماع دونوں ثابت ہیں۔[1]

(۶) اور امام عبدالرزاقؒ نے اور ان کے واسطے سے امام طبرانیؒ نے؛ جعفر بن سلیمانؒ سے؛ اور انہوں نے عطاء بن سائبؒ سے؛ اور انہوں نے ابو البختریؒ سے اس طرح روایت کیا ہے:

بلغ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان قوما یقعدون من المغرب الی العشاء یسبحون یقولون: قولوا کذا قولوا کذا۔ قال

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

الظاھر انہ سمع منہ مرتین مرۃ مع ایوب کما یومی الیہ کلام الدار قطنی و مرۃ بعد ذلک لما دخل الیھم البصرۃ وسمع منہ جریر و ذویہ واللہ اعلم۔ (تھذیب التھذیب ج۷ ص ۱۸۵)

[1] ابو عبدالرحمن السلمی *(ع) مقرء الکوفۃ، الامام العلم، عبداللہ بن حبیب بن ربیعۃ الکوفی من اولاد الصحابۃ، مولدہ فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (سیر اعلام النبلاء ج۴ ص ۲۶۷)

عبدالرحمن السلمی الکوفی المقرء مشھور بکنیتہ و لابیہ صحبۃ ثقۃ ثبت من الثانیۃ مات بعد السبعین۔ (تقریب التھذیب ج ۱ ص ۴۸۶)

حدثنا علی بن عبدالعزیز، حدثنا ابو نعیم، حدثنا عبدالسلام بن حرب، عن عطاء بن السائب، عن ابی عبدالرحمن السلمی، قال: سمعت عبداللہ بن مسعود، یقول: ان اللہ عزوجل لم ینزل داء الا انزل لہ دواء الا الموت۔ (المعجم الکبیر حدیث نمبر ۸۸۲۶)

حدثنا سلیمان بن شعیب، قال: ثنا الخصیب، قال: ثنا ھمام، عن عطاء بن السائب، عن ابی عبدالرحمن السلمی، انہ صلی خلف علی رضی اللہ عنہ و ابن مسعود فکلاھما یسلم عن یمینہ و عن یسارہ: السلام علیکم و رحمۃ اللہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ (شرح معانی الآثار حدیث نمبر ۱۶۲۲)

عبداللہ: ان قعدوا فآذنونی بھم، فلما جلسوا آذنوہ فانطلق اذا آذنوہ فدخل فجلس معھم و علیہ برنس فاخذوا فی تسبیحھم فحسر عبداللہ عن راسہ البرنس و قال: انا عبداللہ بن مسعود فسکت القوم۔ فقال: لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فضلتم اصحاب محمد ﷺ علما قال فقال رجل من بنی تمیم ما جئنا ببدعۃ ظلماء و ما فضلنا اصحاب محمد ﷺ علما فقال عمرو بن عتبۃ بن فرقد: استغفر اللہ یا ابن مسعود و اتوب الیہ قال فامرھم ان یتفرقوا۔[1]

[1] (المصنف عبدالرزاق۔ ج۳، ص۲۲۱، ۲۲۲۔ حدیث نمبر ۵۴۰۹، کتاب الجمعۃ۔ باب ذکر القصاص۔ مطبوعہ ادارۃ القرآن۔ کراچی۔ الطبع الثانیہ ۱۴۱۶ھ،۱۹۹۶ء و المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۵۲)

بعض روایات کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ کی مسجد میں دو حلقے دیکھے تو آپ نے معلوم کیا کہ ان میں سے کون سا حلقہ پہلے سے تھا۔ پھر آپ نے دوسرے حلقے والوں کو پہلے حلقے والوں کے ساتھ شامل ہونے کا حکم فرمایا۔

اس روایت کے الفاظ سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ذکر کے الگ الگ حلقے قائم کرنے سے منع کیا ہے، نہ کہ اجتماعی طور پر ایک حلقہ قائم کرنے سے۔

حالاں کہ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ کیوں کہ مختلف سندوں سے مروی روایت میں ایک سے زیادہ حلقے کا ذکر نہیں مگر اس کے باوجود حضرت ابنِ مسعودؓ اس پر نکیر فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں متفرق ہونے کا حکم فرما رہے ہیں۔

جہاں تک الگ حلقے کو متحد کرنے کا معاملہ ہے تو اس میں ذکر کے حلقوں کا ذکر نہیں بلکہ ایک تفصیلی روایت میں اس کی وجہ بھی مذکور ہے۔ کہ آپ نے بغض و عداوت کے باعث الگ بیٹھنے والوں کو منع فرمایا۔ لہٰذا اس روایت سے اجتماعی ذکر کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر ملی کہ کچھ لوگ مغرب سے عشاء تک بیٹھ کر تسبیحات پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح سے کہو اور اس طرح سے کہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب وہ بیٹھیں تو مجھے ان کی اطلاع کرو۔ پھر جب انہوں نے مجلس قائم کی تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اطلاع دی، جونہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اطلاع ملی فوراً ان کے پاس گئے، اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور آپ نے لمبی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اپنی تسبیحات شروع کیں تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے (یعنی انہوں نے ذکر کرنا موقوف کر دیا) پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم سیاہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہو یا پھر تم (اپنے گمان میں) محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا علی بن عبدالعزیز حدثنا ابو نعیم حدثنا عبدالسلام بن حرب، عن عطاء بن السائب عن ابی البختری و ربما قال: عامر، قال: دخل المسجد فاذا هو بحلقتين، فقال للغلام: انطلق و انظر اهولاء جلوسا قبل ام هولاء؟ فجاء، فقال: هولاء فقال: انما يكفى المسجد محدث واحد فانما هلک من کان قبلکم بالتباغی، حدثنا عثمان بن عمر الضبی حدثنا عبداللہ بن رجاء انا زائدة عن عطاء بن السائب، عن ابی البختری قال: ذکر لعبداللہ ان رجلا يجتمع اليه۔ و ذکر حدیث ابی نعیم۔ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۵۳)

طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں)

پھر بنی تمیم کے ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے سیاہ بدعت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ہم محمد ﷺ کے صحابہ پر علم میں فضیلت رکھتے ہیں پھر عمرو بن عتبہ بن فرقد نے کہا کہ اے ابنِ مسعودؓ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان لوگوں کو الگ الگ کر دیا۔(ترجمہ ختم)

اس روایت کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے، مگر دوسری روایات کے پیشِ نظر اس کے حسن درجہ میں داخل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[1]

عبدالوحید الحنفی حافظ خادم اہلسنت

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف سے اجتماعی ذکر کرنے والوں کو الگ کر دینے کا بھی ذکر ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ آپ اس طرح اجتماعی ذکر کرنے کو بدعت جانتے تھے اور اسی کو آپ نے سیاہ بدعت فرمایا۔

(۷) اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی "کتاب الزہد" میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن فضیلؒ سے اور انہوں نے عطاء بن سائبؒ سے اور

---

[1] قلت و ابو البختری لم یسمع من ابن مسعود فالحدیث منقطع۔ و لکن عدم سماع ابی البختری من ابن مسعود لم یضرنا، لان مثل ھذا الانقطاع عندنا لیس بجرح و ھذا الروایة منقولة الینا بطرق آخر ایضا لم یوجد الانقطاع فیھا۔ (محمد رضوان اجتماعی ذکر ص ۴۲)

انہوں نے ابو البختریؒ سے اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔[1]

(۸) اور ابنِ وضاح قرطبیؒ (المتوفی ۲۸۶ھ) نے اپنی سندِ صحیح کے ساتھ عبد الواحد بن صبرۃؒ کے واسطہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جو روایت بیان فرمائی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

بلغه انهم يجتمعون فی ناحية من مسجد الكوفة يسبحون تسبيحا معلوما و يهللون و يكبرون، قال: فلبس برنسا، ثم انطلق فجلس اليهم، فلما عرف ما يقولون رفع البرنس عن راسه ثم قال: انا ابو عبدالرحمن، ثم قال: لقد فضلتم اصحاب محمد ﷺ علما، او لقد جئتم ببدعة ظلماء، قال: فقال عمرو بن عتبة نستغفر الله، ثلاث مرَّاتٍ، ثُمَّ قال رجل من بنی تميم: و الله مَا فضلنا اصحابَ محمدٍ علماً، وَ لَا

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

[1] حدثنا عبدالله حدثنی احمد بن ابراهيم حدثنا محمد بن فضل عن عطاء بن السائب عن ابی البختری قال: اخبر رجل عبدالله بن مسعود، رحمه الله ان قوما، يجلسون فی المسجد بعد المغرب و فيهم رجل يقول: كبرو الله كذا و كذا و سبحوا الله كذا و كذا و احمدوا الله كذا و كذا فقال عبدالله: فيقولون؟ قال: نعم، فاذا رايتهم فعلوا ذلک فاتنی فاخبرنی بمجلسهم فاتاهم و علی برنس فجلس فلما سمع ما يقولون قام و كان رجلا حديدا فقال: انا عبدالله بن مسعود و الذی لا اله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء، او لقد فضلتم اصحاب محمد ﷺ علما؟ فقال معضد: و الله ما جئنا ببدعة ظلماء و لا فضلنا اصحاب محمد ﷺ علما۔ فقال عمرو بن عتبة: يا ابا عبدالرحمن نستغفر الله قال: عليكم بالطريق فرلزموه فو الله لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا بعيدا و و ان اخذتم يمينا و شمالا لتضلو اضلالا بعيدا (الزہد لاحمد بن حنبل حدیث نمبر ۲۱۱۶)

جئنا ببدعة ظُلَماءَ و لكنا قوم نذكر ربنا، فقال: بلى و الذى نفس ابن مسعود بيده، لقد فضلتم اصحاب محمد علما، او جئتم ببدعة ظلماء و الذى نفس ابن مسعود بيده لئن اخذتم آثار القوم ليسبقنكم سبقا بعيدا، و لئن حرتم يمينا و شمالا لتضلن ضلالا بعيدا۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ کوفہ کی مسجد میں ایک طرف جمع ہو کر متعین تسبیحات پڑھتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا وِرد کرتے ہیں۔ تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے لمبی ٹوپی پہنی، پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ پھر جب آپ نے ان کے ذکر کرنے کے طریقہ کو پہچان لیا تو آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری۔ پھر فرمایا کہ میں ابو عبد الرحمٰن ہوں، پھر فرمایا کہ تم (اپنے گمان میں) محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے علم میں زیادہ فضیلت رکھتے ہو (کہ ان کو اس طرح کے عمل کی فضیلت کا نعوذ باللہ علم نہیں) یا تم نے سیاہ بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔

پھر عمرو بن عتبہ بن فرقد نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں، اس نے یہ بات تین مرتبہ کہی، پھر بنی تمیم کے ایک آدمی نے

---

[1] البدع لابن الوضاح القرطبی۔ المتوفی ۲۸۶ھ۔ باب ما یکون بدعۃ۔

کہا کہ اللہ کی قسم! نہ تو ہم محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر علم میں فضیلت رکھتے ہیں اور نہ ہی ہم نے کوئی سیاہ بدعت کی ہے، بلکہ ہم تو جمع ہو کر اپنے رب کا ذکر کر رہے ہیں۔

تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں ابنِ مسعودؓ کی جان ہے کہ تم محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے علم میں اپنے آپ کو افضل سمجھتے ہو یا سیاہ بدعت کا ارتکاب کیا ہے اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں ابنِ مسعودؓ کی جان ہے کہ اگر تم صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تم بہت آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم صحابہ کرامؓ کے طریقہ سے دائیں بائیں ہو گئے تو تم دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

اس روایت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اجتماعی طور پر ذکر کر رہے تھے، اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں کر رہے تھے، اسی پر حضرت ابنِ مسعودؓ نے ان کو بدعت کا مرتکب قرار دیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ ”ہم تو جمع ہو کر اپنے رب کا ذکر کر رہے ہیں“ مگر حضرت ابنِ مسعودؓ نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا، اور اس پر بدعت ہونے کا حکم لگایا۔

(۹) اور امام طبرانیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن اغرؒ سے

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

روایت کرتے ہیں:

بلغ ابن مسعود، ان عمرو بن زرارة مع اصحاب له یذکرھم، فاتاھم عبداللہ، فقال: "انتم اھدی ام اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ انکم متمسکون بطرف ضلالة۔"[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ خبر پہنچی کہ عمر بن ضرارۃ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کو اجتماعی ذکر کراتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم زیادہ ہدایت پر ہو یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ۔ بلاشبہ تم گمراہی کے حصے کو پکڑ رہے ہو۔ (ترجمہ ختم)

اس روایت میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے اور اس پر حضرت ابنِ مسعودؓ کے تنبیہ کرنے کی صراحت ہے۔[2]

عبدالوحید الحنفی خادم اہلسنت حفظہ

---

1 المعجم الکبیر حدیث نمبر ۸۵۵۹

2 بعض حضرات نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابو وائل سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے تھے۔

حالاں کہ میں نے ان کے ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی وہ روایت جس میں انہوں نے ذکر کرنے والوں کو منع کیا، درست نہیں ہے۔ اس کا جواب حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے:

"اولاً اس لیے کہ اس (حضرت ابو وائل کی روایت) کی سند اور پھر اس کی صحت اور اتصال درکار

ان روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اجتماعی ذکر پر نکیر کی روایات ان کے مختلف شاگردوں سے مختلف صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں، اور ان کا کسی طرح انکار درست نہیں۔

اور چوں کہ ان تمام روایات میں حضرت ابنِ مسعودؓ نے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کا حوالہ دے کر ان لوگوں کو اس سے منحرف ہونے والا قرار دیا۔

جس کی وجہ سے حضرت ابنِ مسعودؓ کی یہ حدیث مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ اور اگر کوئی مرفوع تسلیم نہ کرے تب بھی یہ حکماً مرفوعاً ہے۔[1]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہے۔ محض حدیث صحیح کہنے سے صحیح نہیں ہو جاتی یا کم از کم مستند علماء اس کو صحیح قرار دیتے ہوں۔ بخلاف ان کی نہی کی روایت کے جس کو وہ قد صح سے تعبیر کرتے ہیں۔ وثانیاً نہ تو اس روایت میں مسجد کی قید ہے اور نہ اجتماعی رنگ کا ذکر ہے۔ وثالثاً اگر ثابت بھی ہو تو یہ تعلیم پر محمول ہو گا۔ (حکم الذکر بالجہر ص ۱۴۴)

[1] قول الصحابی المجتھد فیما لا نص فیہ حجۃ عندنا یترک بہ القیاس (مقدمۃ اعلاء السنن، قواعد فی علوم الحدیث ج۱۹ ص ۱۲۸،۱۲۹)

وقول الصحابی اذا کان فقیھا مقدم علی القیاس۔ (المبسوط للسرخسی ج۶۔ کتاب الطلاق)

والحاصل ان قول الصحابی حجۃ یجب تقلیدہٗ عندنا اذا لم ینفہ شیء آخر من السنۃ۔ (رد المختار ج۲، باب الجمعۃ، وفتح القدیر ج۲، باب صلاۃ الجمعۃ)

وقال الخطیب علیہ السلام فی الموقوفات علی الصحابۃ جعلھا کثیر من الفقھاء بمنزلۃ المرفوعات الی النبی ﷺ فی لزوم العمل بھا و تقدیمھا علی القیاس و الحاقھا بالسنن۔ انتھیٰ۔ (مقدمۃ

حضرت ابنِ مسعودؓ کا صحابہ کرام اور فقہ و تصوف میں جو مقام ہے، وہ بالکل ظاہر ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد متعدد محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

اتبعوا و لا تبتدعوا فقد کفیتم۔ کل بدعة ضلالة۔[2]

فتح الملہم ج ا ص ۱۱۵)

اقول فی قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان ھذا الفعل لم یکن فی عھد النبی و الصحابة و ھذا التعلیل یوجب التقلید و العمل بہ خصوصاً و انکار ابن مسعود محمول علیٰ صورة مخصوصة بالذکر فلا یعارض النصوص العام الذی یقتضی ثبوت الذکر مطلقاً کما ھو مذکور فی الکتب۔ (محمد رضوان اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم، ص ۴۶)

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد۔** (مستدرک حاکم حدیث نمبر ۵۳۸۷، وحدیث نمبر ۵۳۸۸)

ترجمہ: جس چیز کو عبداللہ بن مسعودؓ پسند کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند کرتا ہوں۔

قال الحاکم: ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین، و لم یخرجاہ، و لہ علة من حدیث سفیان الثوری، فاخبرنا محمد بن موسی بن عمران الفقیہ، حدثنا ابراھیم بن ابی طالب، حدثنا ابو کریب، حدثنا وکیع، عن سفیان۔ (مستدرک حاکم حدیث نمبر ۵۳۸۷)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: **رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد۔ و کرھت لامتی ما کرہ لھا ابن ام عبد۔** (مسند البزار حدیث ۱۹۸۶)

ترجمہ: جس چیز کو عبداللہ بن مسعود پسند کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور جس چیز کو ابنِ مسعودؓ میری امت کے لیے ناپسند کریں میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔ (ترجمہ ختم)

قال الھیشمی: و فی اسناد البزار محمد بن حمید الرازی و ھو ثقة و فیہ خلاف و بقیة رجالہ ثقوا۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۰۔ باب ما جاء فی عبد اللہ بن مسعودؓ)

[2] (المعجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۶۸۲، و اللفظ لہ، سنن دارمی، باب فی کراھیة اخذ الرای، شعب

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

ترجمہ: (اسلاف کی) پیروی کرو، اور بدعت ایجاد نہ کرو، یہ تمہاری نجات کے لیے کافی ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ترجمہ ختم)

سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر وغیرہ جیسے عظیم الشان اذکار جو کہ سنت ہیں اور ان کے عظیم فضائل احادیث و روایات سے ثابت ہیں۔ اگر اپنے اپنے طور پر گھر میں یا مسجد میں ان کا ذکر اور وِرد کیا جائے تو عظیم ثواب کا باعث ہیں۔

لیکن یہی مسنون اور عظیم الشان فضائل کے حامل اذکار اور کلمات جب اجتماعی شکل میں کیے گئے کہ ایک شخص یہ کلمات مخصوص مقدار میں پڑھنے کی طرف متوجہ کرتا اور دوسرے لوگ اس کی تعمیل میں اجتماعی انداز میں ذکر کرتے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی اور تاریک و سیاہ بدعت کے ایجاد کرنے یا حضور ﷺ کے صحابہ پر علم میں آگے بڑھنے والا فرمایا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح اجتماعی ذکر بدعتِ اضافیہ میں شامل ہے۔ اور بدعتِ اضافیہ سے مراد وہ بدعت ہے جو کسی اضافہ (مثلاً تداعی وغیرہ) کی وجہ سے بدعت بنی ہو۔

الایمان، حدیث نمبر ۲۰۲۴۔ الابانۃ الکبری لابنِ بطۃ۔ حدیث نمبر ۱۸۲و۱۸۳و۲۰۵)

قال الهيشمی: رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد باب الاقتداء بالسلف)

حضرت ابنِ مسعودؓ کی یہ روایت اپنے مقصود و مدعا میں واضح ہیں، لیکن بعض حضرات ان میں مختلف تاویلات فرماتے ہیں۔

مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ حالاں کہ ہم اس کا مختلف طریق سے صحیح السند ہونا مفصلاً ذکر کرچکے ہیں۔

امام قاضی خان، امام بزاز، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمہم اللہ جیسے فقیہ حضرات نے بھی حضرت ابنِ مسعودؓ کی مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔[1]

---

[1] حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

علامہ قاضی، امام بزاز، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمہم اللہ سب کے سب بزرگ حضرت ابنِ مسعودؓ کی اس روایت کو وقد صح سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو صحیح کہتے ہیں۔ اور خود صاحب انوارِ ساطعہ وقد صح کے الفاظ سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ اگر امام سیوطیؒ کو اس کی سند معلوم نہیں ہو سکی، جیسا کہ سباحۃ الفکر ص ۶۸ میں نقل کیا گیا ہے کہ اس اثر کی سند اور اس کے مخرج کا پتہ ہونا چاہیے تاکہ اس کی صحت اور ضعف کا حال کھلے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ اور صاحبِ روح البیان نے جو اس روایت کو بلاوجہ جھوٹ اور افترا کہا ہے۔ (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۲۴۳)

تو ان کا قول سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ وہ تو موضوع اور جعلی حدیثوں کو صحیح اور صحیح احادیث کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ پھر حدیث کی تصحیح اور تضعیف ان کا مقام ہی نہیں ہے۔ یہ مسلّم محدثین اور صاحبِ بصیرت فقہاء کا کام ہے۔ صاحبِ روح البیان تو ایک صوفی مزاج مفسر ہیں جنہوں نے رطب ویابس سبھی کچھ تفسیر میں جمع کردیا ہے۔ (دیکھیے اکسیر ص ۸۲)

(ماخوذ از راہِ سنت ص ۱۲۸، باب چہارم)

و قد صح عن ابن مسعود انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یهللون و یصلون علیه الصلاة

لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کے ثبوت کا انکار درست نہیں۔[1]

و السلام جہراً افراح الیھم و قال ما عھدنا ذلک علیٰ عھدہ علیہ الصلاۃ و السلام و ما اراکم الا مبتدعین۔(غمز عیون البصائر، القول فی احکام المسجد، رفع الصوت بالذکر فی المسجد ج ۴)

صح عن ابی مسعود انہٗ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون و یصلون علی النبی ﷺ جہراً و قال لھم "ما اراکم الا مبتدعین" (رد المختار شامی ج ۶۔ فصل فی البیع بعد باب الاستبراء وغیرہ)

و قد صح عن ابن مسعود انہٗ سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یھللون و یصلون علیہ الصلوٰۃ و السلام جہراً افراح الیھم فقال ما عھدنا ذالک علیٰ عھدہ علیہ السلام و ما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذالک حتی اخرجھم عن المسجد۔ اھ (فتاویٰ بزازیہ ج ۳ ص ۳۷۵۔ علی ہامش الفتاویٰ الہندیۃ)

اور جو بعض فقہاء و محدثین سے اس روایت کا انکار منقول ہے وہ اخراج عن المسجد پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صحیح روایات میں اخراج عن المسجد ثابت نہیں۔ اور جنہوں نے اخراج کو صحیح قرار دیا، ان کی مراد مطلق نکیر ہے۔ گویا کہ ان کی مراد اخراج بمعنیٰ افتراق ہے۔ اور یا پھر ممکن ہے کہ منکرین حضرات کو یہ پوری روایت نہ پہنچ سکی ہو۔ اور انہوں نے مسجد میں مطلق ذکر کرنے والوں کو تنبیہ سے متعلق یہ روایت سمجھتے ہوئے اس کا انکار کیا ہو۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد میں مطلق ذکر سے منع نہیں فرمایا بلکہ مخصوص ہیئت کے ساتھ ذکر سے منع کیا ہے۔ **فلا تعارض بینھما۔**

[1] جیسا کہ ایک صاحبِ علم بزرگ تحریر فرماتے ہیں:

سنن دارمی کے علاوہ مصنف عبدالرزاقؒ، ج ۳ ص ۲۲۱ اور المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۳۳ اور تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزیؒ میں بھی مختلف طرق سے یہ اثر موجود ہے۔ لیکن کوئی طریق بھی ضعف سے خالی نہیں۔ رہا متن تو اس کے متن کے اندر بھی خفیہ علت موجود ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو یہ اثر حضرت ابنِ مسعودؓ پر جھوٹ و افتراء ہے یا حضرت ابنِ مسعودؓ کا انکار ایک خاص محل پر محمول ہے۔ کیوں کہ قرآن و حدیث کی رو سے جہر متعدل اور مجالس ذکر کا جواز و استحباب ثابت ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی قرآن و حدیث کی مخالفت کریں (ذکر اللہ کے فضائل و مسائل ص ۳۰۵۔ در ذیل: مجالسِ ذکر اور ان کے فوائد۔ تالیف: مفتی مختار

اسی طرح بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات کو جو دیگر احادیث و روایات کے خلاف قرار دیا ہے یا یہ کہا ہے کہ یہ منع کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔[1]

اولاً تو صحیح روایات کے مضمون کے تناظر میں اس قسم کی تاویلات راجح معلوم نہیں ہوتیں، دوسرے ان تاویلات کے باوجود بھی تداعی اور بہیئتِ اجتماعی مخصوص ذکر کے التزام پر مشتمل مروجہ اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان امور کے مکروہ و بدعت ہونے کی فقہائے کرام و اکابرِ عظام صراحت فرما چکے ہیں۔ اور بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اپنی ذاتی رائے تھی، اور دوسرے لفظوں میں یہ ان کا تفرد تھا۔[2]

الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف۔ ناشر دارالایمان ویسٹریج III راولپنڈی۔ تاریخ طبع محرم ۱۴۲۸ھ جنوری ۲۰۰۷ء)

حضرت ابنِ مسعودؓ سے صحیح سندوں سے ثبوت کے بعد جھوٹ و افتراء ہونے کی تو گنجائش نہیں۔ جہاں تک خاص محل پر محمول ہونے کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی شبہ نہیں اور وہ محمل غیر مشروع و منکَر کا منضم ہونا ہے اور مجوث فیہ یہی مجالسِ ذکر ہیں۔ کماسیجیء۔

رہا جہرِ متعدل اور نفسِ مجالسِ ذکر (جن میں کوئی منکَر شامل نہ ہو) اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

[1] ملاحظہ ہو: ”ذکر اجتماعی و جہری، شریعت کے آئینہ میں“ ص ۱۲۳ تا ۱۲۹۔ مطبوعہ زمزم پبلشرز کراچی۔ تاریخ اشاعت اپریل ۲۰۰۷ء۔

[2] ملاحظہ ہو: ”ذکر اجتماعی و جہری شریعت کے آئینہ میں“ ص ۱۵۶۔ مطبوعہ زمزم پبلشرز کراچی۔

یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی، کیوں کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کا حوالہ دے کر یہ بتلا دیا کہ اس طرح کا اجتماعی ذکر صحابہ کرامؓ میں رائج نہ تھا۔ جس کے بعد اس مضمون کے مرفوع ہونے میں بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ کمامر۔

پس اس کو ان کی ذاتی رائے اور تفرد قرار دینے کے کوئی معنی نہیں؟

اسی طرح بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا منع فرمانا احتیاط اور سدِباب کے طور پر تھا تاکہ لوگ اس کو مسجد کے اعمال میں سے اور خاص خاص تعداد کو اور طریقہ کو سنت سمجھ کر بدعت شروع نہ کردیں۔[1]

یہ بھی قابلِ تامل ہے، پھر خیر القرون کے دور میں تو بدعت شروع ہونے کا ڈر ہو، اور آج قربِ قیامت کے پُر فتن دور میں وہ ڈر موجود نہ ہو، یہ کیوں کر ممکن ہے۔ جبکہ ہم دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ حضرتؓ نے تداعی کے ساتھ ایک ذکر کے التزام وغیرہ جیسی قیود و تخصیصات کی وجہ سے اور بالفاظِ دیگر احداث فی الدین کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔

چناں چہ علامہ قاضی ابراہیم حنفیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے

عبدالوحید حنفی خادم اہلسنت حافظ

[1] ملاحظہ ہو: "ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں" ص ۱۴۷۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوتے فرماتے ہیں:

یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے، یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہؓ کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی، خواہ بے خبری سے، خواہ سُستی سے۔ پس تم طریقِ عبادت کے علم میں صحابہؓ سے غالب ہو نکلے، دوسری صورت ناممکن ہے، پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعتِ سیئہ ہی ہونا متعین ہے۔ یہی بات ہر اس شخص کے بارے میں کہی جائے گی جو خالص عبادتِ بدنی کو اس طور سے ادا کرے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھا۔[1]

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

"مجالسِ ذکر کے مجوِّزین (یعنی جائز قرار دینے والوں) نے اس (روایت) کے تین جوابات دیے ہیں (۱) اس اثر کا کتبِ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (۲) یہ جوازِ جہر سے متعلقہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے (۳) ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کرلی

---

[1] (مجالس الابرار اردو ص ۱۶۵ مجلس نمبر ۱۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

ملا کاتب چلپیؒ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کی یہ غلطی ہے کہ وہ مجالس الابرار کو ملا احمد رومی کی تالیف بتاتے ہیں، ایسی غلطیاں ان سے بکثرت صادر ہو جاتی ہیں (مثلاً دیکھیے فوائدِ بہیہ ص ۱۹ اور اس کا حاشیہ تعلیقاتِ سنیہ ۱۸۰) مجالس الابرار کی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی بڑی تعریف کی ہے، فرماتے ہیں کہ کتاب "معتبر است" (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۱۵) (ماخوذ از راہِ سنت ص ۶۱۔ باب اول)

ہو گی۔ مثلاً اجتماع بالتداعی، امام و ائتمام، باہم کوئی اور ارتباط، جہرِ مفرِط وغیرہا۔

پہلا جواب (یعنی اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا۔ناقل) اس لیے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے (اور سننِ دارمی نے۔ناقل)اس کی تخریج فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اکثر فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "وقد صح عن ابن مسعودؓ" سے اس(روایت)کی تصحیح وتوثیق فرمائی ہے۔

دوسرے جواب (یعنی یہ کہ یہ روایت جہر کے جواز سے متعلق صحیح و صریح احادیث کے خلاف ہے۔ناقل) میں ردبلا سبب ہے۔اس لیے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔"[1]

تیسرے جواب کے صحیح ہونے کی تائید اس روایت کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ جس پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس طریقہ پر نکیر کرتے ہوئے اس کو بدعت سے تعبیر فرمایا ہے۔اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا یہ قول نصِ صریح ہے کہ یہ کیفیت اور احداث ہیئتِ جدیدہ آپ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں نہ تھی۔[2]

---

[1] رسائل الرشید ص۲۵۵،۲۵۶۔ مطبوعہ مکتبۃ حلیمیہ کراچی۔

[2] "راہِ سنت" مؤلفہ مولانا علامہ سرفراز خان صفدرؒ، ص۱۲۹

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ جنابِ رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہ کرامؓ کا بتایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔ لہٰذا یہ بدعتِ ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی۔ اور بقول امام ابنِ دقیقُ العیدؒ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فضیلتِ ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی حضرت ابنِ مسعودؓ کے اس واقعہ سے ذکر کے مخصوص طریقے متعین کر لینے کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چناں چہ انہوں نے زمانۂ فتن میں لوگوں کی تیس حالتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے دسویں حالت کے ذیل میں اس بات کو مفصل بیان فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو "ازالۃ الخفاء مترجم

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

---

[1] راہِ سنت ص ۱۲۴۔

ابنِ دقیقُ العیدؒ کی عبارت یہ ہے:

فھذا ابن مسعود انکر ھذا الفعل مع امکان ادراجه تحت عموم فضیلة الذکر۔ (احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید ج۱ ص ۵۲، اعداد رکعات الرواتب)

ج ا ص ۵۰۴۔ فصل پنجم مقصدِ اول)

پس گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مروّجہ مجالسِ ذکر کی طرح کا اجتماعی ذکر کرنا صحابہ کرامؓ میں رائج نہ تھا۔[1]

اس لیے ہر شخص کو اپنا ذکر الگ الگ اور جدا جدا کرنے میں ہی عافیت و سلامتی نظر آتی ہے، اور اس میں تداعی اور ایک ہی ذکر خواہ سرّی ہو یا جہری جیسی قیودات و تخصیصات وغیرہ کے التزام سے بچنے کی ضرورت ہے۔

(مزید تفصیل آگے عبارت نمبر ا میں ملاحظہ فرمائیں)

فقہائے کرام واکابرِ امت سے ثبوت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد شریعت کے مستحکم اُصولوں کے عین مطابق ہے اور اسی وجہ سے فقہائے کرام اور اکابرِ امت جو دین کے محافظ ہیں، وہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی مذکورہ روایت اور بدعت کی حقیقت کے پیشِ نظر ذکر میں اس طرح کی قیودات و تخصیصات پیدا کرنے پر کیسے خاموشی اختیار کر سکتے تھے، انہوں

---

1 مگر اس کے برعکس بعض حضرات تداعی اور مخصوص ذکر کے التزام بلکہ بصوتِ واحد جہر کے ساتھ مساجد میں مجالسِ ذکر کے انعقاد کو نہ صرف جائز بلکہ سنت و مستحب قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے انعقاد کی دوسروں کو ترغیب بھی دے رہے ہیں۔

نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اتباع میں اپنی اس ذمہ داری کا تسلسل جاری رکھا۔[1]

آگے اسی قسم کی قیودات و تخصیصات پر مشتمل ذکر و درود کے متعلق چند اکابر اور فقہائے امت کی تصریحات پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وصیت

(ا) حضرت امام ابو حنیفہؒ نے (جن کا علمی سلسلہ بالواسطہ حضرت ابنِ مسعودؓ تک پہنچتا ہے) امام ابو یوسفؒ کو جو وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک وصیت یہ تھی:

"وَلَا تَحْضُرْ مَجَالِسَ الذِّكْرِ"

ترجمہ: اور تم مجالسِ ذکر میں حاضر مت ہونا۔[2]

---

[1] **جیسا کہ حضرت سہارنپوریؒ براہینِ قاطعہ میں فرماتے ہیں:**
"قرآن و حدیث و قولِ صحابیؓ سے اگرچہ جزیہ ہی ہو، فقہاء کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائلِ جزیہ جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں۔ اس کا ہی نام تفقہ ہے۔ سب ادنیٰ اعلیٰ اہلِ علم اس کو جانتے ہیں، تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس کے شاہد ہیں، ایسا ہی طیبی نے اس قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کلیہ پیدا کیا اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفیدِ حکم ہوا۔ عبادات و معاملات میں اور خلاصہ کلیہ کا یہ ہے کہ حکمِ شارع کا اپنے محل و مورد پر قصر کرے، اس کے درجہ سے تعدی نہ کرے، اگر کرے گا تو تغیر حکم شرع کا ہو جائے گا۔ اور تغیر حکمِ شرعی کو ہی بدعت کہتے ہیں۔" (براہینِ قاطعہ ص ۲۲۔ درذیل مولوی امیر باز خان کے جواب کے رد کارد)

[2] (الاشباہ و النظائر مع شرحۂ الحموی ج ۴، تحت الفن السابع و مجموعہ وصایا امام اعظم علیہ الرحمۃ ص ۴۴۔ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰھی صاحب بلندشھری علیہ الرحمۃ۔ مطبوعۃ ادارہ المعارف کراچی)

ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ وصیت اس قسم کی مجالسِ ذکر کے متعلق فرمائی ہے، جو بدعات و منکرات پر مشتمل ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابنِ مسعودؓ کی روایت کے حوالے سے گزرا۔[1]

علامہ شاطبیؒ کا حوالہ

(۲) محی السنۃ قاطع البدعۃ علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

و تعیین الکیفیات و التزام الھیئات المعینۃ او الازمنۃ المعینۃ مع الدوام و نحو ذالک، و ھذا ھو الابتداع و البدعۃ ویسمّٰی فاعلہٗ مبتدعا۔[2]

ترجمہ: اور اپنی طرف سے دوام کے ساتھ کیفیات کو متعین کر لینا اور معیّن شکل و صورت اور طور طریق کا (اعتقادی یا عملی) التزام

حافظ عبد الوحید الحنفی

[1] علامہ حمویؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی اس وصیت کے ثبوت کو تسلیم کیا ہے لیکن اس پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ حدیث میں حلقۂ ذکر کے ساتھ وابستہ ہونے اور حلقۂ ذکر کو ریاض الجنۃ فرمانے کی تصریح کی ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

"قولہٗ و لا تحضر مجالس الذکر کذا فی النسخ و مثلہٗ فی مناقب الکردری و ھو مشکل فقد ورد فی الحدیث علیکم بحلق الذکر فانھا ریاض الجنۃ و فی بعض النسخ و لا تحقر بالقاف و ھو غیر مناسب للمعطوف فتامل۔ (الاشباہ و النظائر مع شرحہ الحموی ج ۴۔ تحت الفن السابع)

مگر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں جن مجالس کو ریاضُ الجنۃ اور حلقۂ ذکر کہا گیا ہے اس کا مفہوم بہت عام ہے۔ اور آپ نے اُن خاص مجالسِ ذکر سے منع فرمایا ہے جو بدعات پر مشتمل ہوں اور یہی ہماری بحث کا موضوع ہیں، ورنہ امام ابو حنیفہؒ جیسے بحرُ العلوم سے صریح و صحیح احادیث کے خلاف وصیت کرنے کا کیوں کر تصور کیا جا سکتا ہے۔ (محمد رضوان)

[2] الاعتصام الجزء الاول۔ الباب الاول فی تعریف البدع وبیان معناھا، ص ۲۵۔ مطبوعہ بیروت لبنان

کر لینا یا معین زمانوں کا التزام کر لینا وغیرہ وغیرہ، یہی ابتداع اور بدعت ہے اور اس کے کرنے والے کو بدعتی قرار دیا جاتا ہے۔

اور آگے آتا ہے کہ اجتماعی طور پر ایک ذکر کا التزام کر لینا متعین کیفیات وہیئات کے التزام میں داخل ہے۔[1]

(۳) اور مذکورہ عبارت کے کچھ بعد علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] نیز آگے "بعض صوفیائے کرام کے مجالسِ ذکر قائم کرنے کے شبہ میں مدلل و مفصل جواب" کے عنوان کے تحت یہ تفصیل آتی ہے کہ التزام چاہے اعتقادی ہو یا عملی، بہر حال ناجائز ہے۔ اور اگر کسی محتاط کا اپنا عقیدہ درست ہو تب بھی ایہامِ جاہل کی وجہ سے اس کو علی الاعلان کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامیؒ نے بھی یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے۔

حاصل معنی کلام هذین الشیخین بیان وجه الکراهة فی المداومة و هو انه ان رای ذلک حتما یکره من حیث تغییر المشروع و الا یکره من حیث ایهام الجاهل۔ (رد المختار، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ)

و ما یفعل عقیب الصلاۃ فمکروہ لان الجهال یعتقدونها سنة او واجبة و کل مباح یودی الیه فمکروہ انتهی۔ و حاصله ان ما لیس لها سبب لا تکره ما لم یود فعلها الی اعتقاد الجهلة سنیتها کالتی یفعلها بعض الناس بعد الصلاۃ۔ (رد المختار کتاب الصلاۃ باب سجود التلاوۃ)

اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں:

التزامِ اعتقادی کا ناجائز ہونا تو ظاہر ہے لیکن ظاہر اً صحتِ اعتقاد کے ساتھ عملی التزام میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، اس کو فقہاء کیوں منع کرتے ہیں؟ سو واقعی فقہاء حکماء ہیں، اسرارِ شریعت کو خوب سمجھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ التزامِ عملی سے رفتہ رفتہ اعتقاد پر بھی اثر ہونے لگتا ہے، خصوص عام لوگوں کے اعتقاد پر اور اگر بالفرض نہ بھی ہو تو اس میں صورتاً شریعت کے ساتھ معارضہ ہے جیسا کہ التزامِ اعتقادی میں حقیقتاً معارضہ ہے۔ اس لیے وہ دونوں قسم کے التزام کو منع فرماتے ہیں۔ (خطباتِ حکیم الامت ج۵۔ مواعظِ میلادُ النبی ص ۲۶۱ و ۲۶۲۔ وعظ المورد الفرسخی فی المولد البرزخی۔ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ لاہور۔ سن اشاعت ۱۹۹۲ء)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

و منها التزام الکیفیات و الهیئات المعینة کالذکر بهیئة الاجتماع علیٰ صوت واحد۔[1]

ترجمہ: اور ان ہی بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ مخصوص کیفیات اور معین ہیئات کا (اعتقاداً یا عملاً) التزام کر لینا جیسے کہ اجتماعی طریقے پر ایک ساتھ آواز ملا کر ذکر کرنا۔(ترجمہ ختم)

اس عبارت میں مخصوص کیفیات اور معین ہیئات کی مثال اجتماعی انداز میں ایک ذکر کے التزام کی پیش کی گئی ہے۔

(۴) اور ایک مقام پر علامہ شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فاذاندب الشرع مثلاالی ذکر اللّٰہ فالتزم قوم الاجتماع علی لسان واحد و بصوت او فی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع ما یدل علی هذا التخصیص الملتزم بل فیه مایدل علی خلافه۔[2]

ترجمہ: جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہو مثلاً اللہ کا ذکر، تو اگر کوئی قوم اس کا (اعتقادی یا عملی) التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر آواز سے وہ اللہ کا ذکر کرے یا دوسرے اوقات کے علاوہ کسی مخصوص اور متعین وقت کے اندر وہ ذکر کرے تو شریعت کی وہ

---

[1] الاعتصام الجزء الاول۔ الباب الاول فی تعریف البدع وبیان معناھا، ص ۲۶۔ مطبوعہ بیروت لبنان

[2] الاعتصام الجزء الاول۔ الباب الرابع فی ماخذ اہل البدع بالاستدلال، فصل و منھا تحریف الادلۃ فی مواضعھا، ص ۱۶۹۔

ترغیب اس مخصوص التزام کی ہوئی چیز پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے۔(ترجمہ ختم)

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ذکر میں مخصوص کیفیات اور ہیئات کا التزام بدعت ہے، جس کو دیگر فقہائے کرام نے "بِشَيْءٍ دُوْنَ شَيْءٍ" سے اور ہمارے اکابر نے تداعی کی قید کو بھی مخصوص ہیئت کی تعین والتزام سے تعبیر فرمایا ہے، اور اس کا آگے ذکر آتا ہے۔

اور مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ذکر کا التزام بھی اس اصول میں داخل ہے اور ہماری زیرِ بحث مجالسِ ذکر میں ظاہر ہے کہ یہ خرابی موجود ہے۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

علامہ ابنِ ہمام وامام زیلعی رحمہا اللہ کا حوالہ

(۵)علامہ ابنِ ہمام اور امام زیلعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں:

لا یمنع من ذکر اللہ تعالی بسائر الالفاظ فی شیء من الاوقات بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ وہ کسی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہو اور کسی بھی وقت ہو، ممنوع نہیں بلکہ اصل ممانعت اس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے۔(ترجمہ ختم)

---

[1] فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، مندوبات العیدین۔

اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

علامہ شامیؒ کا حوالہ

(٦) اور علامہ شامیؒ نے بھی ردالمختار میں اصول کو نقل فرمایا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

لا یمنع من ذکر اللہ تعالیٰ فی وقت من الاوقات بل من ایقاعه علی وجه البدعة۔ (ردالمختار کتاب الصلاۃ باب صلاۃ العیدین)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ وہ کسی بھی وقت ہو ممنوع نہیں ہے بلکہ اصل ممانعت اس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ کسی بھی قسم کا ہو مثلاً لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ وغیرہ اور کسی بھی وقت ہو، یہ ممنوع نہیں۔ البتہ اگر ذکر میں کوئی بدعت شامل ہو تو وہ ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور سب لوگوں کا مل کر ایک قسم کے ذکر کی پابندی اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنے اور اس جیسی دوسری تخصیص کا بدعت ہونا پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اور آگے بھی تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی تخصیصات و قیودات زیرِ بحث مروجہ ذکر کی مجلسوں میں موجود ہیں۔[1]

(٧) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

بر تقدیر تعارض ادلۂ کراہت و ادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راہت کہ رعایت احتیاط دران است چناں چہ مقرر اہلِ اصول فقہ است۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۸۸)

"جب کراہت اور اباحت کی دلیلیں آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح کراہت کو ہو گی۔ کیوں کہ احتیاط کا پہلو اسی میں ملحوظ رہ سکتا ہے۔ چناں چہ اصولِ فقہ والوں کے یہاں یہ طے شدہ بات ہے۔"

(۸) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں ہے۔ کسی سائل کے جواب میں فرمایا:

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

"نیز آپ نے پوچھا تھا کہ "ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔" حالاں کہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور چیزوں سے جو آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں۔ مثلاً لباس، فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے؟

میرے مخدوم! آں حضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے، ایک عبادت کے طریق پر، دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے، اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں۔ اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے، اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی

اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں۔ کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے، نہ کہ دین ومذہب پر۔......

البتہ عادی سنت کو مد نظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔" (مکتوبات مجدد الف ثانی ج ۱ مکتوب ۲۳۱)

(۷) آپ اپنے مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے حوالہ سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر آپ نے تیسری دلیل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

۳: اور مکتوبات امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ میں ہے:

منع از ذکر جہری کنند کہ بدعت است باآنکہ ذوق وشوق می بخشند۔[1]

یعنی اگرچہ ذکر جہر سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بدعت ہونے کی وجہ سے مشائخ نقشبندیہ اس سے منع کرتے ہیں۔

مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کا یہ حوالہ بھی ذکر بالجہر کی تردید میں پیش کرنا درست نہیں، یہ عبارت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نہیں بلکہ سائل کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پہلے سائل کا خط نقل

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳۱۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

فرمایا، پھر جواب لکھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جو عبارت آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کی طرف سے پیش کی ہے، اس کا ابتدائی حِصّہ چھوڑ دیا گیا۔ اصل بات اس طرح شروع ہوتی ہے:

و ایضاً پرسیدہ اند کہ منع از جہر کنند کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشند۔ (دفتر اول ح ۴، مکتوب نمبر ۲۳۱۔ ص ۲۲)

اس لیے سائل کی عبارت کو مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور عبارت کا ابتدائی حصہ جو اس کی حیثیت کو واضح کر رہا ہے اس سے چشم پوشی کر کے عبارات میں یوں قطع برید کرنا کہاں کی علمی خدمت ہے؟

آپ مکتوبات ج ۱، ح ۴، ص ۲۲ فارسی دیکھ لیں اور فیصلہ کریں کہ حوالہ دینے میں احقر نے اپنے مضمون میں خیانت کی ہے یا یہ علمی دیانت ہے؟

الجواب: (۱) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے تو یہ لکھا تھا:

”اور مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ میں ہے“

اور آپ خود بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ مکتوبات امام ربانی میں یہ الفاظ موجود ہیں اور سائل کے یہ الفاظ مجدد صاحبؒ نے لکھے ہیں۔ حضرت مجدد خود نہ لکھتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ مجدد صاحبؒ کا ذکر جہر کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔

اور آپ نے بھی حضرت مجددؒ کا سائل کے جواب میں جو ارشاد ہے، وہ نقل نہیں کیا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ حضرت قاضی صاحبؒ نے تو یعنی کے الفاظ سے حضرت مجددؒ کا نظریہ لکھ دیا۔ اب بندہ نے اس لیے مجدد صاحبؒ کا جواب بھی تحریر کر دیا ہے تاکہ مجدد صاحب کا جواب بھی سامنے آجائے۔

حضرت مجدد صاحبؒ سائل کو جواب میں لکھتے ہیں:

میرے مخدوم! آں حضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے، ایک عبادت کے طریق پر،...... وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے، اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں۔ اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے، اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں۔ کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے، نہ کہ دین و مذہب پر۔...... البتہ عادی سنت کو مد نظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔" (مکتوبات مجدد الف ثانی ج ا مکتوب ۲۳۱)

اب فرمائیں حضرت مجدد صاحبؒ نے سائل کے سوال کا جواب جو دیا ہے، وہ آپ کے استدلال کی تائید کرتا ہے یا حضرت مولانا

قاضی مظہر حسین صاحب کے مؤقف کی تائید کرتا ہے؟

(۸) آپ نے جو حضرت مرزا مظہر جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء) کا حوالہ تحریر فرمایا ہے، اس میں بھی خلاصہ یہ ہے کہ:

اول ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنانے پر اکتفاء کرے (زیادہ زور سے ذکر نہ کرے) اس کو شریعت میں ذکر خفی کہتے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ سے ماخوذ ہے۔ ادعو ربکم تضرعاً و خفیة انه لا یحب المعتدین۔ یعنی پکارو اپنے رب کو تضرّع اور اخفاء کے ساتھ۔ دوم اتنا زور سے ذکر کرے کہ دوسرا بھی سن سکے۔ اس کو شرع میں ذکر جہر کہتے ہیں۔ اور یہ ذکر جہر خاص صورتوں میں ذکر خفی سے بھی افضل ہے، مطلقاً افضل نہیں۔[1]

الجواب: اس میں بھی انفرادی ذکر خفی اور ذکر جہر کا بیان ہے، جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ منع تو وہ ذکر جہر ہے جو مروجہ مجالس ذکر میں آج کے بریلوی اور بعض دیوبندی حضرات نے لاؤڈ اسپیکر اور بغیر لاؤڈ اسپیکر، تداعی کے ساتھ شروع کیا ہوا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ مزید لکھتے ہیں:

اور میں نے حضرت ایشاں سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علماء بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہ کی خانقاہ

---

[1] کشکول حضرت مفتی محمد شفیعؒ: ۲۴۳۔

میں لے گئے تھے، تا کہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔ علماء نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے، نہ کیا کریں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔[1]

یہ تھے اہل سنت کے اکابر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلہ کے مشائخ کہ جب بتایا گیا کہ ذکر جہر بدعت ہے تو حضرت امیر قدس سرہٗ نے آگے مناظرہ شروع نہیں کیا کہ یہ جائز ہے، بلکہ ارشاد فرمایا کہ: "نہ کریں گے"

ایک وہ دور تھا اور ایک آج کا دور ہے کہ اجتماعی ذکر جہر کی مجالس کے جواز میں بڑی بڑی کتابیں اور اشتہار شائع ہو رہے ہیں۔ اہل السنت و الجماعت بریلوی مشائخ اور علماء کی طرف سے تو پہلے بھی شائع ہوتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی ہمارے مسلک دیوبند کی بھی بعض خانقاہوں میں تداعی کے ساتھ مجالس ذکر کا سلسلہ اس زور و شور سے شروع ہو گیا ہے کہ اہل سنت اور اہل بدعت میں کچھ عرصہ بعد فرق کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اللہ ہی اہل سنت و الجماعت کی حفاظت کریں اور اہل بدعت کے برپا کیے گئے فتنہ سے بچائیں۔ آمین۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ج ا مکتوب نمبر ۲۶۶۔

صاحبؒ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ بھی امتحان میں آ گئے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے انتقال کے بعد مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سلسلہ کے ایک پیر محمد بن علوی مکی مالکی کی بیعت بھی ہو گئے۔ اور اس نے ان کو شاذلی سلسلہ میں خلافت بھی دے دی۔ اب جو ان کے مرید تھے انہوں نے بھی پیر محمد بن علوی مکی مالکی کی دل میں اپنے مرشد کے بیعت کی وجہ سے محبت پیدا کر لی۔ اور ان کی تردید کرنے والوں سے عملاً علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن ہمارے علم میں نہیں کہ اس بدعتی پیر سے قطع تعلق کیا ہو۔

اہل بدعت سے تعلق کا نتیجہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اسی بدعتی پیر مکی مالکی کو جب لاہور میں بدعتی پیر طاہر القادری صاحب نے بلایا۔ جس میں وہ آئے اور لاکھوں روپے کے عطیات بھی طاہر القادری صاحب کو دے گئے۔ لیکن ہمارے علم میں نہیں کہ اس کے باوجود جن بزرگوں نے بدعتی پیر سے بیعت کی، زندگی کے آخری سانس تک تعلق توڑا ہو۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی وفات کے بعد جن حضرات نے محمد بن علوی مکی مالکی کی بیعت کر لی اور باوجود علم میں آنے کے کہ صوفی محمد اقبال صاحب نے بھی مکی مالکی بدعتی کی بیعت کر لی تھی۔ اور شاذلی سلسلہ میں اس کی عطا کردہ خلافت بھی قبول کر لی تھی اور

اب آخری دم تک صوفی محمد اقبال صاحب مرحوم نے مکی مالکی سے تعلق نہیں توڑا تھا۔ اہل بدعت سے اجتماعی مجالس ذکر میں مشابہت کی یہ ظلمت ظاہر ہوئی ہے کہ اکابر اہل سنت سے کٹ کر انہوں نے اہل بدعت سے نسبت قائم کرلی۔ اور اہل بدعت کا انجام احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں آپ کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بدعت اور اہل بدعت سے دور رکھیں۔ اور اتباع سنت میں یہ فانی زندگی گزارنے کی توفیق نصیب کریں۔ آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہٖ واصحابہ اجمعین۔

(۹) آپ نے لکھا ہے ذکر اللہ کے لیے تداعی خود صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہو رہا تھا۔ واپس جا کر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں، وہاں چند لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ لوگ تلاوت میں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔

الجواب مسجد میں انفرادی ذکر اور تلاوت پر اختلاف نہیں ہے۔ یہ تداعی ذکر بالجہر کے لیے نہیں تھی۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

باب 4

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر بالجہر

چند شبہات کا ازالہ

قرآن مجید کی تلاوت و تدریس کے لیے جمع ہونا

مروجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات اپنے اجتماعی ذکر پر ایک استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

و من سلک طریقا یلتمس فیہ علما، سھل اللہ لہ بہ طریقا الی الجنۃ، و ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ، یتلون کتاب اللہ، و یتدار سونہ بینھم، الا نزلت علیھم السکینۃ، و غشیتھم الرحمۃ و حفتھم المشکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ و من بطا بہ عملہ، لم یسرع بہ نسبہ۔ (مسلم حدیث نمبر ۲۶۹۹)

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتے ہیں۔ اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت اور باہم درس و تدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور ان کو رحمت ڈھانپ

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو تو اس کا نسب آگے نہیں بڑھتا۔ (ترجمہ ختم)

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

لیکن اس حدیث سے مروجہ اجتماعی ذکر پر استدلال کرنا محلِ نظر ہے، کیوں کہ اولاً تو بہت سے اہلِ علم کی تصریح کے مطابق اس حدیث میں کتاب اللہ کی تلاوت سے مراد اس کا تعلم و تعلیم ہے۔

اور اس کی تائید خود مذکورہ حدیث کے الفاظ اور دوسری احادیث و روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چناں چہ مذکورہ حدیث میں پہلے علم کے لیے سفر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی اور اس کے بعد پھر کتاب اللہ کی تلاوت اور تدریس کا ذکر کیا گیا۔ اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ما من قوم یجتمعون فی بیت من بیوت اللہ عزوجل یقرءون و یتملمون کتاب اللہ عزوجل یتدارسونہ بینھم، الا خفت بھم الملائکۃ، و غشیتھم الرحمۃ، و ذکرھم اللہ فیمن عندہ و ما من رجل یسلک طریقا یلتمس بہ العلم الا سھل لہ بہ او سھل بہ طریقا الجنۃ، و من یبطء بہ عملہ، لا یسرع بہ نسبہ۔[1]

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں

---

[1] مسند احمد حدیث نمبر ۹۲۷۴۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

جمع ہو کر اللہ عزوجل کی کتاب کی قرأت اور تعلیم حاصل کرتی ہے اور باہم درس و تدریس کرتی ہے تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتے ہیں۔ اور جس کا عمل سست ہو تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔

اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔[1]

اس حدیث میں کتابُ اللہ کی قرأت کی تشریح، اس کے تعلم اور تدارس سے کی گئی ہے۔ اور امام احمدؒ، حضرت ابراہیم بن حسن باہلی سے، اور وہ حضرت ابو عوانہ سے، اور وہ حضرت اعمش سے، اور وہ حضرت ابو صالح سے، اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

ما من قوم یجتمعون فی بیت من بیوت اللہ عزوجل یتملمون کتاب اللہ و یتدارسونہ بینھم، الا خفت بھم الملائکۃ، و غشیتھم الرحمۃ، و ذکرھم اللہ فیمن عندہ، و ما من رجل

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔ ابو عوانۃ: ھو الوضاح بن عبداللہ الیشکری۔ (ماہنامہ التبلیغ ج ۱۹ از مولانا مفتی محمد رضوان)

یسلک طریقا یلتمس فیه العلم، الا سهل الله عزوجل له به طریقا الی الجنة۔[1]

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرتی ہے اور باہم درس و تدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے تو اللہ عزوجل اس کے لیے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتے ہیں۔(ترجمہ ختم)

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

اس روایت کے رجال ثقہ ہیں۔ اور ابو عمر یوسف بن عبداللہ نمری قرطبی المعروف بابنِ عبدالبر (المتوفیٰ ۴۶۳ھ) نے احمد بن قاسم بن عبدالرحمٰن سے، اور انہوں نے قاسم بن اصبغ سے، اور انہوں نے حارث بن ابی اسامہ سے، اور انہوں نے معاویہ بن عمرو سے، اور انہوں نے زائدہ بن قدامہ سے، اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

مامن قوم یجتمعون فی بیت الله یتعلمون القرآن و یتدارسونه

---

[1] الزاهد لاحمد بن حنبل حدیث نمبر ۱۲۸، و اللفظ لهٗ، المجالسة و جواهر العلم للدینوری، حدیث نمبر ۲۳۴۴۔

بینھم الا خفتھم الملائکہ وغشیتھم الرحمۃ وتنزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ، و ما من رجل سلک طریقا یلتمس فیہ علما الا سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ۔[1]

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کی تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم اس کی تدریس کرتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں اور جو آدمی بھی کسی راستے پر چلتا ہے، جس میں وہ علم کو تلاش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستے کو سہل فرما دیتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

اس روایت کے رجال بھی ثقہ ہیں۔ ان روایات میں تلاوت و قرأت کے بجائے تعلم اور تدارس کے الفاظ ہیں۔

اور امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابو معاویہ ضریر سے، اور انہوں نے اعمش سے، اور انہوں نے ابو صالح سے، اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

و من سلک طریقا یلتمس فیہ العلم سھل اللہ لہ الی الجنۃ طریقا و ما اجتمع قوم فی بیوت اللہ یتعاطون کتاب اللہ و

[1] جامع بیان العلم وفضلہ لابی عمر القرطبی، حدیث نمبر ۳۰، ج ۱، ص ۳۳۔ ابواب فضل العلم واہلہ۔

یتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ و خفتھم الملائکۃ، وغشیتھم الرحمۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔[1]

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتے ہیں اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سیکھتی) ہے اور باہم درس و تدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں۔

یہ روایت بھی پہلی روایتوں کے مطابق ہے۔ اور خواہ تعلُّم کے الفاظ ہوں یا تعاطی کے یا تدارس کے، ان سب سے مراد ایک دوسرے سے قرآن مجید کے الفاظ اور معانی کو سیکھنا اور سکھانا اور اس سے تذکیر و تذکر اور وعظ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں نفسِ تلاوت یا قرأت کے الفاظ ہیں ان سے مراد اسی طرح کی تلاوت و قرأت ہے۔

لان الاحادیث یفسر بعضھا بعضا، وزیادۃ الثقات مقبولۃ۔[2]

---

[1] شعب الایمان حدیث نمبر ۱۵۷۲۔

[2] التلاوۃ تاتی بمعنی الاتباع وھی تقع بالجسم تارۃ وتارۃ بالاقتداء فی الحکم وتارۃ بالقراءۃ و تدبر المعنی قال الراغب التلاوۃ فی عرف الشرع تختص بالتباع کتب اللہ المنزلۃ تارۃ

چناں چہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

لاریب جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست، مگر وہ جمع ہونا مباح ہونا چاہیے۔ سو حدیثِ مسلم میں مذاکرۂ قرآن کے واسطے اجتماع تھا، جو کہ مستحب ہے۔ بلکہ بعض واجب، کہ تذکیر و تذکر و وعظ ہی ذکر ہوا ہے، اس پر اجتماعِ مکروہ کو قیاس نہیں کرسکتے، یہ کوتاہی فہم کی ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد وعظ و تذکیر ہے، نہ کہ مروجہ ذکر پر تداعی کے ساتھ اجتماع، اور یہ بات خود احادیث کے الفاظ کے ساتھ واضح ہے۔[2]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

بالقراءة و تارة بامتثال ما فیها من امر و نهی و هی اعم من القراءة فکل قراءة تلاوة من غیر عکسی (عمدة القاری، کتاب تفسیر القرآن باب قول اللہ تعالیٰ کل الطعام کان حلالبنی اسراءیل علی نفسه من قبل ان تنزل التوراة قل فاتوا بالتوراة فاتلوها ان کنتم صادقین)

[1] براہینِ قاطعہ ص ۱۱۱، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

[2] قوله (یتدارسونه) قیل شامل لجمیع ما یتعلق بالقرآن من التعلم و التعلیم و التفسیر و الاسکتشاف عن دقائق معانیه۔ (حاشیہ السندی علی ابنِ ماجۃ، باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم تحت حدیث رقم ۲۱۶)

(تدارس) الکتاب و نحوه درسه و تعهده بالقرآءة و لحفظ لئلا ینساه و الطلبة الکتاب درسه کل منهم علی الآخر (المعجم الوسیط، باب الدال)

(درس) (س) فیه (تدارسوا القرآن) ای اقرءوه و تعهدوه لئلا تنسوه۔ یقال: درس یدرس درسا و دراسة۔ و اصل الدراسة الریاضة و التعهد للشیء۔ (النہایۃ فی غریب الاثر، باب الدال مع الدال)

(و یتدارسونه بینهم): و التدارس قراءة بعضهم علی بعض تصحیحا لالفاظه او کشفا لمعانیه

اور حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور فقہائے کرام بالخصوص فقہائے احناف نے بھی تعلیم و تعلم کے بغیر قرآن مجید کی نفسِ تلاوت، بالخصوص مخصوص سورتوں و آیتوں کی تلاوت پر اجتماع کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے، اور ذکر کے لیے جمع ہو کر ایک ذکر پر التزام کرنا اسی کے مشابہ ہے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت اغرابو مسلم سے روایت ہے کہ:

اشهد علی ابی هريرة و ابی سعيد الخدری انهما شهدا علی النبی ﷺ انه قال: لا يقعد قوم يذكرون الله عزوجل الا خفتهم الملائكة، و غشيتهم الرحمة، و نزلت عليهم السكينة، و ذكرهم الله فيمن عنده۔[1]

ترجمہ: میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں گواہی دے کر

کذا قاله ابن الملک۔ و يمكن ان يكون المراد بالتدارس المدارسة المتعارفة بان يقراء بعضهم عشرا مثلا و بعضهم عشرا آخر، و هكذا فيكون اخص من التلاوة او مقابلا لها، و الاظهر انه شامل لجميع ما يناط بالقرآن من التعليم و التعلم۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۸۷، کتاب العلم)

(و التعاطی التناول) يقال هو يتعاطی كذا ای يتناوله (و) قيل هو (تناول ما لا يحق و) قيل هو (التنازع فی الاخذ) يقال تعاطو الشیء اذا تناوله بعض من بعض و تنازعوه (تاج العروس، فصل العين) (ماہنامہ التبلیغ از مولانا مفتی محمد رضوان ج ۱۸)

1 مسلم حدیث نمبر ۲۷۰۰۔ و اللفظ لہ، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۲۸۷، الدعوات الکبیر للبیہقی، حدیث نمبر ۵۔ (ماہنامہ التبلیغ ج ۸ شمارہ ۶ مؤلفہ مفتی محمد رضوان ص ۳۶)

فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو قوم بھی بیٹھ کر اللہ عزوجل کا ذکر کرتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود (مخلوق یعنی فرشتوں) میں ذکر فرماتے ہیں۔(ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لاھل ذکر اللہ اربع خصال: تغشاھم الرحمة، و تنزل بینھم السکینة، و تحف بھم الملائکة، و یذکرھم اللہ عزوجل فیمن عندہ۔ (الدعاء للطبرانی حدیث نمبر ۱۷۹۲)

ترجمہ: اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لیے چار خصلتیں (خصوصی اعزازات) ہیں، ایک تو ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، دوسرے ان کے درمیان سکینہ نازل ہوتا ہے، اور تیسرے ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور چوتھے ان کا اللہ عزوجل اپنے پاس موجود (مخلوق یعنی فرشتوں) میں ذکر فرماتے ہیں۔(ترجمہ ختم)

بعض اہلِ علم حضرات نے اس حدیث سے قرآن مجید میں تدبر اور دین میں تفقہ حاصل کرنا مراد لیا ہے، اور حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت ابو صالح سے مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی ان احادیث کو اس کی تشریح قرار دیا ہے۔ جن میں یہ فضیلت علم و درس کے لیے بیان کی گئی ہے، جس کے لیے اجتماع لازم ہے۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

بلکہ بعض حضرات نے نماز وغیرہ پڑھنے والوں کو بھی اہلِ ذکر میں داخل مانا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فرض، واجب (عیدین، جمعہ) نماز اجتماعی شکل میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی اس حدیث سے معہود ذکر (یعنی تسبیح، تہلیل وغیرہ) مراد لے تو تب بھی اس سے ایک ذکر کا التزام اور اس ذکر کے لیے تداعی کے ساتھ اجتماع منعقد کرنے کا ثبوت پھر بھی نہیں ہوتا۔

بلکہ اگر چند لوگ بغیر تداعی کے ایک مقام پر اپنا اپنا ذکر کریں، ان پر بھی یہ خصلتیں صادق آتی ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ عام طور پر فجر کی نماز سے فارغ ہو کر سورج طلوع ہونے تک، اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر سورج غروب ہونے تک اور بعض اوقات دوسری نمازوں کے بعد بھی مساجد میں بیٹھ کر اپنے ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے، جن کی رسول اللہ ﷺ نے توصیف فرمائی۔

جن میں نہ تو بطورِ خاص ذکر کے لیے تداعی کے ساتھ اجتماع کا انعقاد ہوتا تھا، اور نہ ہی ایک ذکر کا التزام ہوتا تھا۔ (ان روایات کا ذکر آگے آتا ہے)

یہی وجہ ہے کہ انفرادی طور پر تنہا ذکر کرنے والے کے بارے میں بھی ان خصلتوں کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔

چناں چہ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ:

قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ وَفِي الدَّارِ الدَّابَّةُ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ مَنْظَرَ فَإِذَا ضَبَابَةٌ

أَوْ سَحَابَةٌ قَدْ غَشِيَتْهُ قال: فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: اقْرَأْ فُلَانُ فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ۔ [1]

ترجمہ: ایک آدمی سورہ کہف کی قرأت کر رہا تھا اور گھر میں ایک چوپایہ تھا جس نے بدکنا شروع کیا تو اس آدمی نے اچانک ایک بادل کو دیکھا جس نے اسے ڈھانپ لیا۔ پھر اس آدمی نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں شخص! قرآن مجید کی قرأت کرتے رہو (کچھ اندیشہ نہ کرو) کیوں کہ یہ سکینہ ہے، جو قرآن کے نزدیک یا قرآن کے لیے نازل ہوتا ہے۔ (ترجمہ ختم)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

اور اسی طرح کا واقعہ حضرت اسید بن حضیرؓ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے رات کو قرآن مجید کی قرأت کرنے کے وقت میں اپنے سر کے اوپر ایک سایہ دیکھا، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے متعدد مرتبہ ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

تلک الملائکة کانت تستمع لک، و لو قرأت لاصبحت یراھا الناس ماتستتر منھم (مسلم، حدیث نمبر ۷۹۶)

ترجمہ: یہ فرشتے تھے جو آپ کی قرأت کو سن رہے تھے، اور اگر آپ صبح تک قرأت کرتے رہتے تو آپ پر سایہ کیے ہوئے بعض

---

[1] ماخوذ ماہنامہ التبلیغ ج ۸ شمارہ ۶۔ جون ۲۰۱۱ء۔ مفتی محمد رضوان۔
مسلم حدیث نمبر ۷۹۵، واللفظ لہ، بخاری، حدیث نمبر ۵۰۱۱، و حدیث نمبر ۳۶۱۴۔

فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے۔(ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی انفرادی طور پر نفسِ قرائت کرنا بھی نزولِ رحمت و سکینت اور حضورِ ملائکہ کا سبب ہے۔[1]

فرشتوں کا اہلِ ذکر کو تلاش کرنا

حضرت ذکوان ابو صالح، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ: فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ يُسَبِّحُونَكَ، وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ، وَيُمَجِّدُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَوْكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا، وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا، قَالَ:

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

[1] و فی هذا الحديث جواز روية آحاد الامة الملائكة و فيه فضيلة القراءة و انها سبب نزول الرحمة و حضور الملائكة و فيه فضيلة استماع القرآن قوله ﷺ اقرا فلان و فی الرواية الاخرى اقرا ثلاث مرات معناه كان ينبغى ان تستمر على القرآن و تغتنم ما حصل لك من نزول السكينة و الملائكة و تستكثير من القراءة التى هى سبب بقائها۔ (شرح النووی باب نزول السكينة لقراءة القرآن) (ماہنامہ التبلیغ، ج۸ ش۷)

يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِي؟ قَالَ: يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ: يَقُولُ: مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔ (بخاری حدیث نمبر ۶۴۰۸ کتاب الدعوات)

خادم اہل سنت حافظ عبد الوحید حنفی

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں، اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں، پس جب وہ کچھ لوگوں کو پاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، تو وہ پکار کر کہتے ہیں کہ اپنی ضرورت کی طرف چلو، پھر وہ اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک ان لوگوں کو ڈھانپ لیتے ہیں پھر ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے، دراں حالیکہ رب تعالیٰ کو لوگوں کی حالت کا خوب اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ

رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ وہ آپ کی تسبیح بیان کر رہے تھے، اور آپ کی تکبیر بیان کر رہے تھے، اور آپ کی تمجید کر رہے تھے، رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھ کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیسی حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی زیادہ عبادت کرنے لگ جائیں اور آپ کی زیادہ تمجید اور تحمید کرنے لگ جائیں۔ اور آپ کی کثرت سے تسبیح کرنے لگ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کر رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ آپ سے جنت کا سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہمارے رب، انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو اس کی حرص اور زیادہ شدید ہو جائے اور اس کی طلب اور زیادہ شدید ہو جائے اور اس کی رغبت اور بڑھ جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ چاہتے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ آگ (یعنی جہنم) سے، رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے اس آگ (یعنی جہنم) کو دیکھا ہے؟ تو

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید حنفی

فرشتے کہتے ہیں کہ قسم اللہ کی! اے ہمارے رب انہوں نے اس کو نہیں دیکھا، رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو وہ اس سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کریں اور اس سے اور زیادہ ڈریں تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی۔ تو فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ایسا تھا، جو درحقیقت ان لوگوں میں سے نہیں تھا۔ وہ تو صرف کسی ضرورت کی وجہ سے آیا تھا۔ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ تمام ہی ہم نشین (یعنی ایک مجلس کے شرکاء) ہیں، ان کا ہم نشین محروم نہیں ہو گا۔ (ترجمہ ختم)

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

ذکرُ اللہ کے مفہوم میں تسبیح، تمجید وغیرہ اور تلاوتِ قرآن اور درس و تدریس سب داخل ہیں۔ بالخصوص جبکہ حضرت ذکوان ابو صالح ہی کی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے، جس میں کتابُ اللہ کی تعلیم اور درس و تدریس کرنے والوں کے لیے فرشتوں کے گھیر لینے اور رحمت کے ڈھانپ لینے اور اللہ تعالیٰ کا ان کا ذکر اپنے پاس کی مخلوق یعنی فرشتوں میں کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث

میں بھی فرشتوں کے ڈھانپ لینے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر کرنے کی تفصیل مذکور ہے۔ جو کہ اس پہلی حدیث میں مذکور نہیں۔

لہٰذا حضرت ابو صالح کی ہی اس حدیث کو مندرجہ بالا حدیث کی تشریح قرار دیا جانا ممکن ہے۔ "والحدیث یفسر بعضهٗ بعضا" نیز درس و تدریس کے علاوہ قرآن مجید کی نفسِ تلاوت پر بھی یہ فضیلت مرتب ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تمجید اور تحمید اور جنت کی ترغیب اور جہنم کی ترہیب وغیرہ جیسے سب طرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔

اور اگر آج کل کی زبان میں معروف ذکر مراد لیا جائے تو یہ فضیلت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو اپنے اپنے ذکر میں مشغول ہوں۔ کوئی تسبیح کر رہا ہو، کوئی تمجید، کوئی تحمید، کوئی دعاء، اور کوئی تعوذ وغیرہ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے۔ اس میں سب لوگوں کے ایک ذکر پر التزام کا کسی طرح ثبوت نہیں۔ پس اس حدیث سے بیک زبان اور بصوتِ واحد تداعی کے ساتھ جمع ہو کر ذکر کرنے پر بعض لوگوں کا استدلال کرنا درست نہیں۔[1]

---

[1] عمدۃ القاری للعینی ج۲۳ ص۲۸۔ کتاب الادب، باب فضل ذکر اللہ عزوجل۔ فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث رقم ۴۳۵۰۔ والتفصیل فی حکم الذکر بالجہر ص ۱۸۴، ۱۸۵۔ وماہنامہ التبلیغ از

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں پر فخر فرمانا

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

خرج معاوية على حلقة في المسجد فقال ما اجلسكم قالوا جلسنا نذكر الله، قال الله ما اجلسكم الا ذاك قالوا و الله ما اجلسنا الا ذاك، قال اما انى لم استحلفكم تهمة لكم و ما كان احد بمنزلتى من رسول الله ﷺ اقل عنه حديثاً منى و ان رسول الله ﷺ خرج على حلقه من اصحابه فقال ما اجلسكم؟ قالوا جلسنا نذخر الله و نحمده على ما هدانا للاسلام و من به علينا۔ قال الله ما اجلسكم الا ذاك، قالوا و الله ما اجلسنا الا ذاك قال اما انى لم استحلفكم تهمة لكم و لكنه انا نى جبريل فاخبرنى ان الله عزوجل يباهى بكم الملائكة۔ (مسلم حدیث نمبر ۷۰۱۲ کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ مسجد میں ایک حلقے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کس وجہ سے بیٹھے ہو؟ انہوں کہ کہا کہ ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی قسم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم صرف اسی

مفتی محمد رضوان ج۸، ش۷ جولائی ۲۰۱۱ء

لیے بیٹھے ہیں۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے تم سے قسم کسی بد گمانی کی وجہ سے نہیں لی اور میرے مقام و مرتبہ والا کوئی بھی آدمی رسول اللہ ﷺ سے مجھ سے کم حدیثوں کو بیان کرنے والا نہیں ہے۔ اور بے شک ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ایک حلقے کی طرف نکلے تھے تو فرمایا تھا کہ تمہیں کس بات نے بٹھلایا ہوا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرنے اور اس کی اس بات پر حمد و ثناء کرنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور ہم پر اس کے ذریعہ احسان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم! تم اس بات کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں بیٹھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے قسم کسی بد گمانی کی وجہ سے نہیں اٹھوائی بلکہ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ عزوجل تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں۔ (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں ذکرُ اللہ سے، کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا مذاکرہ مراد ہونا راجح ہے۔ جس کی تفصیل حضرت معاویہؓ کی ہی حدیث میں آئی ہے۔ اور وہ حدیث اس حدیث کی تشریح و تفسیر ہے۔ چناں چہ حضرت ابنِ بریدہ سے روایت ہے کہ:

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

ان معاوية خرج من حمام حمص فقال لغلامه: ائتنى لبستى فلبسهما، ثم دخل مسجد حمص۔ فركع ركعتين، فلما فرغ اذا هو بناس جلوس، فقال لهم: ما يجلسكم؟ قالوا: صلينا صلاة المكتوبة ثم قص القاص، فلما فرغ فعدنا نتذاكر سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقال معاوية: ما من رجل ادرك النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقل حديثا عنه منى، انى ساحدثكم بخصلتين حفظتهما من رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما من رجل يكون على الناس فيقوم على راسه الرجال يحب ان تكثر الخصوم عنده فيدخل الجنة، قال: و كنت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يوما فدخل المسجد فاذا هو بقوم فى المسجد قعود، فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مايقعدكم؟ قالوا: صلينا الصلاة المكتوبة، ثم قعدنا نتذاكر كتاب الله و سنة نبيه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ان الله اذا ذكر شيئا تعاظم ذكره۔[1]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ حمص کے حمام سے تشریف لائے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ میرا لباس لے آیئے۔ پھر آپ نے اس کو پہن لیا پھر حمص کی مسجد میں داخل ہوئے، پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے تو کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے پایا، حضرت

[1] مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۲۱، کتاب العلم المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی رقم الحدیث ۳۲۱۔

معاویہؓ نے ان سے فرمایا کہ تم کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی، پھر ایک قصہ بیان کرنے والے نے (عبرت آمیز) قصہ بیان کیا، پھر جب فارغ ہو گئے تو ہم بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی سنت کا مذاکرہ کر رہے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس نے نبی ﷺ سے جو پایا کہ جو میرے مقابلہ میں کم حدیثیں بیان کرنے والا ہو۔ میں تم سے دو خصلتوں کو بیان کرتا ہوں، جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے محفوظ کیا۔ ایک خصلت تو یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو لوگوں پر مسلط ہو، پھر اس کے سر پر لوگ کھڑے ہوں، وہ اس کو پسند کرتا ہو کہ اس کے پاس لڑائی جھگڑوں کی کثرت ہو، اور پھر وہ جنت میں داخل ہو جائے (یعنی جو لوگوں کے جھگڑوں کے واقعات اور لوگوں کے فیصلوں کے لیے اپنے پاس کثرت سے جمع ہونے کو پسند کرتا ہو، اس کا جنت میں داخل ہونا مشکل ہے) اور دوسری خصلت یہ ہے کہ میں ایک دن نبی ﷺ کے ساتھ تھا تو نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، تو آپ نے مسجد میں کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے فرض نماز پڑھی پھر ہم بیٹھ کر اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کا مذاکرہ کر رہے ہیں۔ تو رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ذکر فرماتے ہیں تو اپنے ذکر (اور اہل ذکر) کو بہت عظمت دیتے ہیں۔ (یعنی اس پر فخر فرماتے ہیں) (ترجمہ ختم)

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فرض نماز سے فارغ ہو کر کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا مذاکرہ کرنے کی قید لگی ہوئی ہے۔ جس سے نہ تو آج کل کی زبان میں معروف مروجہ ذکر کا ثبوت ہوتا، اور نہ ہی اس کے لیے تداعی اور اس سے بڑھ کر بیک زبان اجتماع ذکر کا۔

اور اس حدیث کی سند بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔[1]

پس اس سے مروجہ اجتماعی ذکر پر استدلال درست نہیں۔[2]

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

---

[1] چناں چہ امام حاکمؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:
هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، و قد سمع عبد الله بن بريدة الاسلمى من معاوية غير حديث۔
اور علامہ ذہبیؒ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ: على شرطهما۔
بعض نے اس حدیث پر حسین کی وجہ سے ضعف کا حکم لگایا ہے، جو کہ درست نہیں۔ کیوں کہ حضرت حسین کی سند سے بخاری اور مسلم نے احادیث کی تخریج کی ہے، اور یہ بخاری اور مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

[2] چناں چہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:
"یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ نے آپس میں بیٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ بے پایاں نصیب فرمائی۔ اس میں اس ذکر کا کس طرح اور کس

بندہ کے مجمع میں ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں میں ذکر فرمانا

حضرت ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ۔[1]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے میرے ساتھ گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ پس اگر وہ میرا ذکر اپنے آپ میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اپنے آپ میں کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ان لوگوں سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہوں۔ (ترجمہ ختم)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

جملے سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلفِ مذکور خواہ مخواہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے۔ پہلے باحوالہ یہ بات گزر چکی ہے کہ تعلیم کے علاوہ حضراتِ صحابہ کرامؓ نہ تو دعا بلند آواز سے کرتے تھے اور نہ ذکر اور اس پر حضراتِ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے...... ان کے حلقے تعلیمِ دین اور تعلیمِ ذکر کے لیے تو ہوتے تھے لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے اور نہ مسجد میں۔ اب غور کرنا مؤلف کا کام ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ ذکر بالجہر کے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کاروائی کے خلاف تھے؟ حضراتِ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تو ہر گز نہ تھا۔" (حکم الذکر بالجہر ص ۱۸۵، ۱۸۶، ملخصًا) ماخوذ از ماہنامہ التبلیغ ج ۱۸ از مفتی محمد رضوان ش ۱۰ ص ۳۹

[1] بخاری رقم الحدیث ۷۴۰۵۔ مسلم رقم الحدیث ۲۶۷۵۔ مسند احمد رقم الحدیث ۷۴۲۲۔

مفتی رضوان صاحب لکھتے ہیں:

مروجہ اجتماعی ذکر کی مجالس کے بعض مدعی حضرات نے اس حدیث سے اپنے یہاں رائج اجتماعی ذکر پر استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس حدیث سے مجمع میں اللہ کا ذکر کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر ان حضرات کا یہ استدلال اس لیے محلِ نظر ہے کہ اولاً تو ذکر کے عام مفہوم میں دعا، حمد و ثناء، قرائتِ قرآن اور وعظ و نصیحت، تسبیح و تہلیل سب داخل ہیں۔

چناں چہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(یہ جواب مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے نقل فرمایا ہے۔)

شیخ ابو بکر رازی نے لکھا ہے، ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکرِ قلبی یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی طرف دھیان کرنا، اور اس کے دلائلِ قدرت اور آیاتِ تکوینہ و تنزیہہ میں غور و فکر کرنا۔ دوسرا ذکرِ لسانی یا قولی، اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اس کی حمد و ثناء، قرائتِ قرآن اور دوسروں کو وعظ و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا، عمومِ لغت کے اعتبار سے سب داخل ہیں۔ ہاں عرفاً کبھی کبھی صرف تسبیح و تہلیل وغیرہ ان اذکار پر اس کا اطلاق

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہوتا ہے، جو محض مدح وثناء پر مشتمل ہیں۔ اس لیے محدثین صیغۃ الصلاۃ میں اذکار اور ادعیہ کے لیے الگ الگ ابواب رکھتے ہیں۔[1]

معلوم ہوا کہ ذکر کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی خاموشی کے ساتھ یا مجمع سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے اور اس کی قدرت و توحید وغیرہ کے دلائل میں غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کرے۔

اور اس کے مقابلہ مجمع میں انہی چیزوں کا وعظ و تبلیغ کرے، جیسا کہ دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ کرام دینی کتب کا ایک وقت میں تنہائی میں مطالعہ اور دوسرے وقت میں مجمع میں تدریس یا تکرار کرتے ہیں۔ اور مجمع میں کسی ایک کا قرآن مجید تلاوت کرنا اور باقی کا سننا بھی وعظ و تبلیغ میں داخل اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

چناں چہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

"لیکن نصوص پر نظر کرنے نیز بعض علماء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ شارع کے نزدیک ان اذکار و ادعیہ میں اصل اخفاء ہے۔ خواہ وہ خفضِ صورت سے حاصل ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے، جیسا نصوصِ

[1] امداد المفتین ص ۲۵۰، محررہ۔ ۵ شعبان ۱۳۶۴ھ بمقام دیوبند، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

مذکورہ فی السوال۔ ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة اور خیر الذکر الخفی سے واضح ہے اور واذکر ربک فی نفسک کے بھی ایک معنیٰ یہ ہو سکتے ہیں۔ یعنی مجمع سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں ذکر کرنا، جیسا کہ حدیثِ صحیح وان ذکرنی فی ملاء کے مقابلہ میں رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ بعض احادیث میں وان ذکرنی فی نفسی کے بجائے ان ذکرنی خالیاً کے ہی الفاظ آتے ہیں۔ اور رہا آیت دون الجھر من القول سے مقصود بظاہر جہرِ مفرط کی نفی کرنا ہے۔" ......

"بندہ جب میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ملائکہ کی ایک جماعت میں کرتا ہوں۔"

اس سے بلاشبہ فضیلت ذکر فی الملاء کی نکلتی ہے۔ لیکن اس قسم کی سب احادیث کے متعلق مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ ان میں ذکر سے مراد اعم ہے۔ خاص دعا والا ذکر مراد نہیں ہے۔ جس میں ہماری یہ سب بحث تھی، مثلاً دعاء الناس الی اللہ، کس کے معنیٰ دعوت وارشاد کے ہیں۔ اور جو ذکر متعدی ہے۔ (یعنی دعوت وارشاد) وہ یہاں ذکر فی الملاء سے مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جہر ناگزیر ہے۔ لیکن وہ ہماری بحث سے اس وقت خارج ہے۔ اسی طرح قرائتِ قرآن کا بھی ارادہ کر سکتے ہیں۔ اس کے جہر فی الملاء میں کوئی کلام نہیں بلکہ بہت سے فوائد ہیں۔[1]

---

[1] ایضاً ص ۲۵۱، ۲۵۲۔

دوسرے اگر کوئی اس حدیث سے تسبیح و تہلیل والا ذکر ہی مراد لے تو بھی ایک ذکر کے التزام اور ذکر کے لیے تداعی کے بغیر کسی کے مجمع میں اس طرح ذکر کرنے کے معنیٰ درست ہیں کہ جس سے دوسروں کو تکلیف و ایذاء نہ ہو اور کسی کی عبادت میں خلل نہ ہو۔ جیسا کہ کوئی شخص بلکہ ایک سے زیادہ اشخاص مسجد میں بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر و تلاوت کریں۔

پس ذکر سے خواہ وعظ و تبلیغ مراد لی جائے یا تسبیح و تہلیل وغیرہ، اس حدیث سے تداعی کے ساتھ ایک ذکر کے التزام جیسی قیودات پر مشتمل مجالسِ ذکر کا ثبوت نہیں ہوتا۔[1]

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (چند شبہات کا ازالہ)

حضرت عنترہ ابو وکیع سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا:

ماسلک رجل طریقا یلتمس فیه علما الا سهل الله له طریقا الی الجنة و من ابطا به عمله لم یسرع به نسبه و ما جلس قوم فی بیت من بیوت الله یتدارسون کتاب الله و یتعلمونه بینهم الا غشیتهم الرحمة، و حفتهم المکلائکة، و ذکرهم الله فیمن عنده، و کانوا اضیافه حتی یخوضوا فی حدیث غیره۔[2]

---

[1] ماہنامہ التبلیغ ج۸ مؤلفہ مولانا مفتی محمد رضوان۔

[2] الزہد لو کیع، حدیث نمبر ۵۰۹۔ ماہنامہ التبلیغ ج۸ مؤلفہ مفتی محمد رضوان

ترجمہ: جو آدمی بھی کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لیے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستے کو آسان بنا دیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی درس و تدریس کرتی ہے، اور باہم اس کا علم حاصل کرتی ہے، تو اس کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتے ہیں، جو اللہ کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) اور وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ (ترجمہ ختم)

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

اس روایت میں کتابُ اللہ کے تدارس اور تعلُّم کے الفاظ ہیں۔

اور ایک روایت میں تذاکر اور تدارس کے الفاظ ہیں، چناں چہ مسند دارمی میں ہے کہ:

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتذاکرون کتاب اللہ و یتدارسونہ بینھم، الا اظلتھم الملائکۃ باجنحتھا حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ و من سلک طریقا یبتغی بہ العلم، سھل اللہ طریقہ الی الجنۃ، و من ابطا بہ عملہ، لم یسرع بہ نسبہ۔[1]

---

1 سنن الدارمی، حدیث نمبر ۳۶۸۔ باسند صحیح۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کا مذاکرہ اور اس کی درس و تدریس کرتی ہے، تو فرشتے ان کے اوپر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور جو آدمی بھی کسی راستے پر علم حاصل کرنے کے لیے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستے کو آسان بنا دیتے ہیں۔ اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔ (ترجمہ ختم)

"تذاکر" اور "تدارس" سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم و تعلم اور تدریس و تبلیغ کرتے ہیں۔ اور بعض روایات میں درس کے ساتھ تعاطی کے الفاظ ہیں۔ چناں چہ بیہقی وغیرہ میں ہے کہ:

ما جلس قوم فی بیت من بیوت اللہ یدرسون کتاب اللہ و یتعاطونہ بینھم، الا کانوا اضیاف اللہ، و اظلت علیہ الملائکۃ باجنحتھا ما داموا فیہ حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ، و ما سلک رجل فی طریق یبتغی فیہ العلم الا سھل اللہ لہ بہ سبیلا الی الجنۃ و من بطا بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ۔[1]

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی

1 شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر ۱۶۶۱۔ و حدیث نمبر ۱۸۷۲۔ الدعاء لمحمد بن فضیل الضبی، حدیث نمبر ۲۰۳۔ اخلاق حملۃ القرآن للآجری، حدیث نمبر ۲۱۔

کتاب کی درس و تدریس کرتی ہے، اور کتابُ اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سیکھتی) ہے، تو وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اور ان پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کر لیتے ہیں، جب تک وہ کتاب اللہ کی درس و تدریس اور ایک دوسرے سے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور جو شخص بھی کسی راستے میں علم کو تلاش کرنے کے لیے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو آسان بنا دیتے ہیں۔ اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔ (ترجمہ ختم)

ان سب روایات سے حضرت ابو ہریرہؓ کی گزشتہ حدیث کی مزید تشریح ہو جاتی ہے کہ دراصل یہ فضیلت علمِ دین اور قرآن مجید سیکھنے سکھانے اور اس کے ذریعہ وعظ و تبلیغ کے لیے ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید یا کتابُ اللہ کے لیے جمع ہونے کی یہ فضیلت صلاً ان لوگوں کے لیے ہے، جو کہ قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم اور تدریس کے لیے جمع ہوتے ہیں، جیسا کہ دینی مدارس میں طلبہ کرام کا معاملہ ہے۔ (مفتی محمد رضوان ماہنامہ التبلیغ ج ۸)

اور کوئی ایک قرآن مجید پڑھے اور دوسرے سنیں، یہ بھی ایک حیثیت سے قرآن مجید سے تبلیغ و تذکیر اور اس کے تدارس میں داخل

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

ہے۔ کیوں کہ یہ بھی قرآن مجید سے تبلیغ ہے، اور صحابہ کرام کے حالات میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔ چناں چہ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے:

"اصحاب النبی ﷺ اذا جلسوا کان حدیثھم۔ یعنی الفقه۔ الا ان یقرا رجل سورة او یامر رجلا بقراءة سورة۔"[1]

ترجمہ: نبی ﷺ کے صحابہ کرام جب کوئی مجلس قائم فرماتے تھے، تو اُن کی فقہ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی، مگر یہ کہ کوئی ایک آدمی (قرآن مجید کی) کوئی سورت قرأت کرتا (اور دوسرے قرأت کو سنتے) یا کسی آدمی کو کسی سورت کی قرأت کا حکم فرماتے (تاکہ دوسرے سنیں) (ترجمہ ختم)

مفتی محمد رضوان صاحب لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مجالس دین سیکھنے سکھانے اور عبرت آمیز واقعات و قصص سننے سنانے کے لیے مجالس کے قائم کرنے کا ذکر ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ جب جمع ہوتے تھے، تو یا تو فقہ و دین کے متعلق مذاکرہ فرماتے تھے، یا کوئی ایک قرآن مجید پڑھتا، اور باقی سنتے تھے۔

---

1 مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۲۹۴، واللفظ لہٗ، المدخل الی السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر ۳۲۳۔

2 الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، حدیث نمبر ۲۵۶۲۔

خادم اہلسنت حافظ عبد الوحید الحنفی

اور ایک کے قرآن مجید پڑھنے اور باقی کے خاموشی سے سننے کی وجہ یہی ہے کہ قرآن مجید ایک حیثیت سے وعظ و تذکیر میں داخل ہے، بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے بھی ہوں، اور اسی وجہ سے جب قرآن مجید پڑھا جائے، تو اسے خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم ہے۔

چناں چہ تفسیر مظہری میں ہے کہ:

قلت لا شک ان فی الجهر بالقران احادیث کثیرة و الآثار من الصحابة و التابعین اکثر من ان تحصی لکن فیمن لا یخاف ریاء و لا اعجابا و لا غیرهما من القبائح و لا یودی جماعة یلبس علیهم صلواتهم و یخطها علیهم فمن خاف شیئا من ذلک فلا یجوز له الجهر و ان لم یخف استحب الجهر فان کانت القراءة فی جماعة مجتمعین مستمعین تاکد استحباب الجهر لکن لا یجوز کمال الجهر و ان یجهد الرجل نفسه فی الجهر لقوله تعالی و دون الجهر من القول روی محمد فی موطاه عن مالک عن عمه ابی سهیل عن ابیه ان عمر بن الخطاب کان یجهر بالقراءة حسن مالم یجهد الرجل نفسه و الله اعلم۔ فان قیل الجهر بالذکر و الدعاء بدعة و السنة فیهما الاخفاء کما مر المسالة فی

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

تفسیر قولہ تعالی ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ فما وجہ الفرق بین الذکر و قراءۃ القران مع ان القراءۃ ایضا ذکر۔ قلنا القران مشتمل علی الوعظ و القصص الموجبۃ للعبرۃ و الاحکام و نظمہ معجز جاذب للقلوب السقیمۃ الی الاسلام و لذا قال اللہ تعالی و ان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ و قراءتہ باللسان عبادۃ زائدۃ علی الذکر الذی ھو عبادۃ عن طرد الغفلۃ عن الجناب و اسماعہ غیرہ عبادۃ اخری مرغوبۃ عند الرحمن بخلاف الذکر و الدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابۃ و من الذکر النیسان عما یشغلہ من العزیز المنان حتی یسقط عن بصیرتہ نفس الذکر بل الذاکر ایضا و لا یبقی فی بصیرتہ الا الواحد القھار۔[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کو جہر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں کثرت سے احادیث اور صحابہؓ اور تابعین کے اتنے آثار ہیں کہ جو شمار سے زیادہ ہیں۔ لیکن اس شخص کے حق میں کہ جس کو ریاء اور خود پسندی وغیرہ جیسے قبائح کا خوف

1 التفسیر المظہری، ج۳، ص ۴۵۴۔ تحت آیت ۲۰۵، من سورۃ الاعراف۔

نہ ہو اور نہ دوسرے لوگوں کو ایذاء پہنچے کہ ان پر ان کی نماز میں التباس اور اختلاط پیدا ہو جائے۔ پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف رکھتا ہے تو اس کے لیے جہر جائز نہیں، اور اگر خوف نہیں رکھتا تو جہر مستحب ہے۔ پھر اگر قرآن مجید کی قرأت چند ایسے لوگوں میں ہو جو سب اکٹھے ہوں اور قرآن مجید کو سن رہے ہوں تو اس میں جہر کے مستحب ہونے کی تاکید ہو گی۔ لیکن جہر کی انتہاء جائز نہ ہو گی اور نہ ہی یہ چیز جائز ہے کہ آدمی اپنے آپ کے لیے (نہ کہ کسی کو سنانے کے لیے) جہر کرنے میں مجاہدہ کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "و دون الجهر من القول" اور اما محمد نے مؤطا میں امام مالک سے اور انہوں نے اپنے چچا ابو سہیل سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نماز میں جہری قرأت فرماتے تھے، اور حضرت عمر بن خطابؓ کی قرأت دارِ ابی جہیم تک سنائی دیتی تھی۔ پھر امام محمد نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کو جہراً پڑھنا ان نمازوں میں بہتر ہے جن میں قرآن مجید کو جہراً پڑھا جاتا ہے، جب تک کہ آدمی اپنے ساتھ مجاہدہ (مشقت و غلو) نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ذکر اور دعا تو جہراً کرنا بدعت ہے اور ان کو خفیہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے قول اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کی تفسیر

کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ تو پھر ذکر اور قرآن مجید کی قرأت میں کیا فرق ہوا (کہ اس میں جہر کو بدعت کے بجائے مستحب قرار دیا گیا ہے) جب کہ قرأت بھی ذکر ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قرآن مجید دراصل وعظ اور ایسے قصوں پر مشتمل ہے جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب اور انداز بھی معجزانہ ہے جو کمزور دلوں کو اسلام کی طرف کھینچ کر لاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۶)

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

”اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیجیے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“

اور کلام اللہ کی زبان سے قرأت کرنا اس (دوسرے) ذکر سے زائد عبادت ہے جو کہ دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے۔ اور اس (کلامُ اللہ) کا دوسرے کو سنانا ایک الگ عبادت ہے جو رحمٰن کے نزدیک مرغوب ہے۔ بخلاف ذکر اور دعا کے (کہ یہ دوسرے کو سنانا عبادت نہیں، بلکہ صرف دل سے غفلت دور کرنے کی عبادت ہے) کیوں کہ دعا سے مقصود قبولیت اور ذکر سے مقصود ان

چیزوں کو بھلا دینا ہے جو اسے اللہ عزیز منان سے غافل کر دیں۔
یہاں تک کہ اس کی خود ذکر بلکہ ذکر کرنے والے سے بھی توجہ
ہٹ کر اس کی توجہ میں صرف اور صرف اللہ واحد قہار ہی باقی رہ
جائے (لہٰذا اس کے لیے نہ دوسرے کو سنانے کی ضرورت ہے، اور
نہ مجمع کی۔) (ترجمہ ختم)

پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید دوسرے کو سنانے کے لیے جہراً پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی تذکیر و تبلیغ میں داخل ہے۔ اور جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ سب مل کر جہراً قرآت کریں، خاص کر جبکہ سب ایک ہی قسم کی قرآت کا التزام کریں، جیسا کہ مروجہ ذکر میں ہوتا ہے تو فقہائے کرام نے اس صورت کو مستحب بلکہ جائز قرار نہیں دیا۔

لہٰذا قرآن مجید کے لیے جمع ہونے کی فضیلت سے متعلق بعض اجمالی روایت سے یہ سمجھنا کہ ان سے قرآن مجید کی نفسِ تلاوت پر اور پھر اس پر قیاس کر کے ذکر پر اور اس سے بڑھ کر ایک ہی قسم کی قرآت و ذکر پر سب کا آواز ملا کر جمع ہونے کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے، یہ درست نہیں۔[1]

---

1 کذا فی: البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ والتعلیل لمسائل المستخرجۃ، لابی الولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی، کتاب الجامع الثامن، فیما روی انہ من اشراط الساعۃ۔ المدخل لابن الحاج، فضل فی العالم و کیفیۃ نیتہ، مرقاۃ ج ۱، ص ۳۶۷، کتاب العلم۔

اب اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء و القراء للختم اولقراءةسورةالانعام او الاخلاص۔[1]

ترجمہ: اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے دعوت دینا اور نیک لوگوں اور قاریوں کا ختم کے لیے، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قرأت کے لیے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) (ترجمہ ختم)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

قراءة الکافرون الی الاخر مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعین رضی اللہ تعالی عنهم کذافی المحیط۔[2]

ترجمہ: سورہ کافرون کی آخر تک جمع ہو کر قرأت کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول نہیں، محیط میں اسی طرح سے ہے۔ (ترجمہ ختم)

اور علامہ ابنِ حاجؒ فرماتے ہیں کہ:

اماالحفاظ یجتمعون للقراءة یقرءون معاللثواب فلیس من

1 ردالمختار، ج۲، ص ۲۶۰، باب صلاۃ الجنازۃ۔

2 الفتاوی الہندیۃ، الباب الرابع فی الصلاۃ۔

فعلهم ولا بمروی عنهم۔[1]

ترجمہ: حافظوں کا تلاوت کے لیے جمع ہونا تاکہ وہ ایک ساتھ مل کر ثواب کے لیے قرآن پڑھیں، تو یہ صحابہ و سلف کے فعل سے ثابت نہیں اور نہ ہی ان سے قولاً مروی ہے۔(ترجمہ ختم)

اور المحیط البرہانی میں ہے کہ:

قراءة الفاتحة بعد المكتوبة لاجل المهمات مخافته او جهراً مع الجميع مكروهة، كذلک قراءة الكافرون مع الجمع مكروهة، لانها بدعة لم ينقل عن الصحابة، و عن التابعين رضوان الله عليهم اجمعين۔[2]

ترجمہ: فرضوں کے بعد سورہ فاتحہ کا مہمات کے لیے آہستہ یا جہراً جمع ہو کر قرأت کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح سورہ کافرون کی قرأت جمع ہو کر مکروہ ہے۔ کیوں کہ یہ بدعت ہے، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی نہیں۔(ترجمہ ختم)

اور امداد الفتاوٰی میں ایک سوال و جواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

---

1 المدخل لابن الحاج جلد ا فصل فی العالم و کیفیۃ نیتہ۔

2 المحیط البرہانی، ج۵، ص ۳۱۲، کتاب الاستحسان والکراہیۃ، الفصل الرابع فی الصلاۃ، والتسبیح، و قراءۃ القرآن، والذکر الخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لیے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی غیر مقصود کے لیے جو بدعت اور مکروہ ہے۔

(۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ)[1]

اور حضرت ابوہریرہؓ سے جو روایت ابو مسلم اغر نے نقل کیا ہے، اس میں قرآن مجید کی تلاوت و تعلیم اور تدریس کے بجائے مطلق ذکر کے الفاظ ہیں۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذکر کا مفہوم عام ہے، جس سے بہت سے اہلِ علم کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے مطابق وعظ وتذکیر اور قرآن مجید کا درس ہی مراد ہے۔ (مولانا مفتی محمد رضوان ماہنامہ التبلیغ ج ۸)

ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر منع کیا ہے

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

"اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے۔ کیوں کہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر

1 امداد الفتاویٰ، ج ۱، ص ۵۳۹، باب الجنائز، وج ۴، ص ۶۰۵ و ۶۰۶۔

ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع ورقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو جان پر مترتب ہوتے ہیں، کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے۔ اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں، ان کی طرف التفات نہیں۔

ایک دن حضرت ایشاںؒ کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں تھا، کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کیا، حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا اور یہاں تک کہ جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔ اور میں نے حضرت ایشاںؒ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تھے، تاکہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔

علماء نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے، نہ کیا کریں۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید الحنفی

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع، رقص اور وجد کا کیا ذکر ہے۔

وہ احوال و مواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں، فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں۔ کیوں کہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں۔

اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کسف و توجید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔

خادم اہلسنت عبدالوحید حنفی

اس امر میں حکماء یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔

احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرم اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔"[1]

خام صوفیوں کا پیروں کے عمل کا بہانہ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ حنفی لکھتے ہیں:

امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔

صرف یہی کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ

1 مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب ۲۶۶۔ از حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

کریں اور انکا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابی حسن نوری کا عمل۔

اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کر کے سرود رقص کو اپنا دین وملت بنایا ہے۔[1]

اور اسی کو اطاعت اور عبادت سمجھ لیا ہے۔

اولئک الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنالیا ہے۔

اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص فعل حرام کو متحسن اور اچھا جانے، وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو اطاعت وعبادت سمجھنا کیسا برا ہے۔ اللہ تعالیٰ حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑایا۔

سُننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی رغبت کرتے ہیں۔ اور

1 اور ہمارے زمانہ کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر مجالس ذکر کو منعقد کر کے ان میں ذکر جہر کا معمول بھی بنالیا ہے۔ اور اسی کو اطاعت اور عبادت سمجھ لیا ہے۔ اور جو یہ کہے کہ مروجہ طریقہ ذکر جہر جو ذکر کی مجالس میں اپنایا جارہا ہے، فقہ حنفی میں قرآن وسنت کی روشنی میں بدعت ہے تو اس سے بغض و عناد کھلم کھلا کیا جاتا ہے۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

سرود و قصیدہ خوانی کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحقیقت اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے یار اس ارتکاب میں کون سا عذر پیش کریں گے۔

ایک طرف حرمت شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت، نہ اہل شریعت اس فعل سے راضی ہیں اور نہ ہی اہل طریقت۔ اور اگر حرمت شرعی بھی نہ ہوتی تو پھر بھی طریقت میں صرف کسی نئے امر کا پیدا کرنا برا تھا۔ پھر ایسے امر کیوں کر برے نہ ہوں۔ جب حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ مرزا جی اس امر سے راضی نہ ہوں گے۔ لیکن آپ کے آداب کو مد نظر رکھ کر صریح طور پر منع نہ کرتے ہوں گے۔ اور یاروں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے۔ اس فقیر نے چوں کہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا ہے اس لیے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیے ہیں۔ اور سبق کو مرزا جی کی خدمت و ملازمت میں لے جائیں اور اوّل سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام [1]

---

1 مکتوبات مجدد الف ثانیؒ، ج ا مکتوب ۲۶۶۔

خادم اہلسنّت حافظ عبدالوحید الحنفی

شریعت میں گانا اور سرود سننے یا دیکھنے کی ممانعت ہے

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوت کے بعد اپنے بزرگ مخدوم زادہ کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے......

جاننا چاہیے کہ سماع ورقص در حقیقت لہو ولعب میں داخل ہیں۔

آیت کریمہ: و من یشتری لھو الحدیث۔

"اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی ہے جو واہیات قصے کہانیاں خرید تا ہے۔"

خادم اہلسنت عبد الوحید حنفی

سرود کے منع ہونے کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

چناں چہ مجاہدؒ جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور بڑے تابعین میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مراد سرود ہے۔

فی المدارک لھو الحدیث السمر د الغناء و کان ابن عباس و ابن مسعو دیحلفان انہ الغناء۔

تفسیر مدارک میں ہے کہ: **لھو الحدیث** سے مراد **سمر** یعنی بے ہودہ قصے کہانیں اور سرود ہے۔

حضرت مجاہد، اللہ تعالیٰ کے قول لا یشھدون الزو۔ (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں ای لا یحضرون الغنا۔ (یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔)

اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے حکایت کی گئی ہے کہ:

من قال لمقری زماننا احسنت عند قرءته یکفر و بانت منه امرءته و احبط اللہ تعالی کل حسناته۔

جس نے ہمارے زمانے میں کسی قاری کو قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا، کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اس کی تمام نیکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

اور ابو نصیر الدبوسی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے قاضی ظہر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ:

من سمع الغناء من المغنی وغیرہ او یری فعلا من الحرام فیحسن ذلک باعتقاد او بغیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال بناء علی انه ابطل حکم الشریعة و من ابطل حکم الشریعة فلا یکون مومنا عند کل مجتهد و لا یقبل اللہ تعالی طاعته و احبط اللہ و تعالی کل حسناته۔

جس نے کسی گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعل حرام کو دیکھا

خادم اہلسنت عبدالوحید

اور اس کو اچھا جانا، از روئے اعتقاد کے بغیر اعتقاد کے تو اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا۔ اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت قبول کرتا ہے۔ اور اس کی سب نیکیوں کو دور کر دیتا ہے۔

اعاذنا اللہ سبحانہ من ذلک۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ [1]

آیات و احادیث اور آیات فقہیہ غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہر گز اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ کسی فقہیہ نے کسی زمانہ میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے، نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا نصیب کریں اور ہر قسم کے شرک و بدعت سے بچنے کی توفیق نصیب کریں اور مسلک اہل السنت و الجماعت پر

1 مکتوبات مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، مکتوب ۲۶۶۔
2 مکتوبات مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، مکتوب ۲۶۶۔

خادم اہلسنت حافظ عبدالوحید حنفی

موت تک قائم و دائم رکھیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید میں بدعات سے بچنے اور سنت و شریعت پر عمل کی نصیب کریں۔

آمین بجاہ النبی الکریم

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا

خادم اہلسنّت

حافظ عبد الوحید الحنفی

ساکن اوڈھروال (تحصیل و ضلع چکوال)

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۹ فروری ۲۰۱۶ء بروز منگل

☆☆☆☆

خادم اہلسنّت حافظ عبد الوحید الحنفی

الـنُور مینجمنٹ چکوال (پاکستان)
0334-8706701
www.zedemm.com
zedemm@yahoo.com
اسلامی لٹریچر اور کتب کی بہترین کمپوزنگ اور پرنٹنگ کے لئے، نیز ہر قسم کے اشتہارات اور ایڈورٹائزنگ کے لئے رجوع کریں

ہم نہیں ہوں گے ہماری داستان رہ جائے گی

بس ''نقوشِ زندگی'' اپنا نشاں رہ جائے گی
ہم نہیں ہوں گے ہماری داستاں رہ جائے گی

ہم اٹھے تو پھر کہاں یہ داستانِ حالِ دل
اہلِ محفل کی زباں پر داستاں رہ جائے گی

بجلیاں برسائے گی ،برسات کی کالی گھٹا
بوئے صحنِ گلستاں بن کر دھواں رہ جائے گی

کس کو تھا معلوم ہوگا یوں بھی احسانِ بہار
راکھ ہی اک یادگارِ آشیاں رہ جائے گی

ٹوٹ کر رہ جائے گا تارِ نفس کا سلسلہ
داستاں اپنی مگر وردِ زباں رہ جائے گی

کارواں ہوگا نہ آوازِ رحیلِ کارواں
دشت رہ جائے گا ،گردِ کارواں رہ جائے گی

کس کو ہوں گے یاد حنفیؔ کے احوالِ سفر
اپنی منزل بن کہ اِک رازِ نہاں رہ جائے گی

☆☆☆☆

خادمِ اہلسنّت عبدالوحید حنفی

خلافت راشدہ حق چار یارؓ عقیدہ ختم نبوت زندہ باد

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ

سیدنا حضرت عثمانؓ

سیدنا حضرت علیؓ

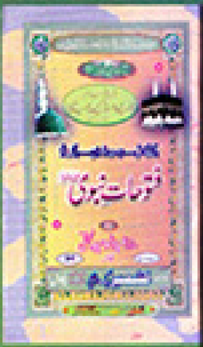

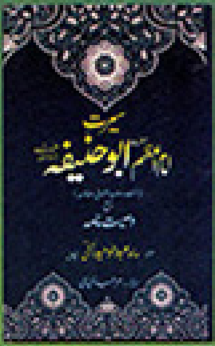

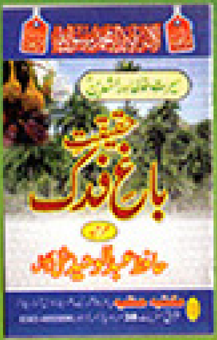

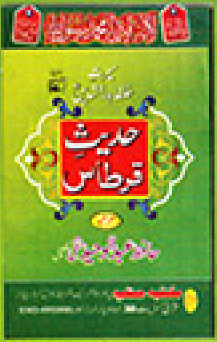

صداقت اہل سنت والجماعت پر محققانہ شہرہ آفاق مطبوعات